WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف سورۃ الشعراء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام: اس سورۃ کا نام الشعراء ہے۔ کیونکہ اس کی آیت ۲۲۴ میں یہ لفظ مذکور ہے اس لیے اسی لفظ کو اس سورۃ کا عنوان مقرر فرمایا۔ اس سورت میں گیارہ رکوع اور ۲۲۷ آیتیں ہیں یہ ۱۲۷۹ کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چالیس حروف پر مشتمل ہے۔

نزول: یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول سے پتہ چلتا ہے کہ سورۂ طٰہٰ کے بعد سورۃ الواقعہ نازل ہوئی۔ اور اس کے بعد الشعراء کا نزول ہوا۔ اور بعض علماء کا خیال ہے کہ اس سورۃ کی چار آخری آیتیں جو والشعراء یتبعھم سے شروع ہوتی ہیں وہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئیں۔ (خزائن العرفان)

مضامین: نبی رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب و روز تبلیغ اسلام میں مصروف ہیں۔ دن بھر اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں۔ ان کے شکوک کا ازالہ اور ان کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پڑھ پڑھ کر انھیں سناتے ہیں۔ اور جب رات کی تاریکی پھیل جاتی ہے اور ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے تو یہ رسول مکرم بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوتے ہیں کبھی دست بستہ کھڑے ہو کر اور کبھی سربسجود ہو کر بڑے سوز و گداز سے اپنی قوم کی ہدایت کے لیے التجائیں کرتے ہیں جب زبان مصروفِ دعا ہوتی ہے تو آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آمین آمین کہہ رہے ہیں۔

یوں دن بسر ہو رہے ہیں، یوں راتیں گزر رہی ہیں۔ لیکن کفار کی ہٹ دھرمی اور بہتان تراشی میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے، جس سے طبیعت اُداس رہتی ہے اور خاطرِ عاطر پر غم کے بادل چھائے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: اے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! تم یوں رنجیدہ خاطر اور ملول کیوں رہتے ہو، آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا، یہ ان کی عقل کا قصور ہے کہ وہ حق کو قبول نہیں کر رہی۔ تمہارا شفیق دل تو یہی چاہتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی گمراہ نہ رہے، سب ہدایت یافتہ ہو جائیں۔ اور ایسا کرنا ہمارے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہم انھیں ایسی نشانی دکھانے پر قادر ہیں۔ جس کو دیکھ کر ان کی گردنیں جھک جائیں۔ اور اسلام قبول کرنے کے سوا ان کے لیے کوئی چارہ کار نہ رہے۔ لیکن جبر و اکراہ سے انھیں راہِ حق پر گامزن کرنا ہماری حکمت کے بھی خلاف ہے اور شرفِ انسانی بھی اس کا تقاضا نہیں کرتا۔

اس کے بعد سات جلیل القدر انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات کو بڑی شرح و بسط سے بیان فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہو اور کفار و مشرکین ان نافرمان قوموں کے دردناک انجام سے باخبر ہو کر اپنی بروقت اصلاح کریں۔

آخری رکوع میں بتا دیا کہ جس قرآن کو یہ کلام الٰہی ماننے سے انکار کر رہے ہیں یہ وہ کلام ہے جسے رب العٰلمین نے نازل کیا ہے۔ اسے لے کر آنے والا روح الامین ہے۔ اور جس کے قلب پاک پر یہ نازل ہوا وہ نذیر للعالمین ہے۔ اس کے ذکر خیر سے پہلے انبیاء کرام کی کتابیں بھری پڑی ہیں اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ کسی شیطان کا کلام ہے یا کسی شاعر کا طبع زاد ہے انتہائی حماقت اور نادانی ہے۔ کہاں شیاطین کی لایعنی باتیں اور کہاں اس کتاب مقدس کا اعجاز بیان اور حسن و جمال، کچھ سوچو، ان میں کوئی ادنیٰ سی مناسبت بھی ہے۔

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَسَبْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّاَحَدٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۂ شعراء مکی ہے اور اس کی ۲۲۷ آیتیں اور ۱۱ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۲ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا

طا سین میم ۱ یہ آیتیں ہیں ۲ روشن کتاب کی۔ (اے جان عالم!) شاید آپ ہلاک کر دیں گے اپنے آپ کو اس

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝۳ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ

غم میں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ۳ اگر ہم چاہیں تو اتاریں ان پر ۴ آسمان سے کوئی نشانی پس ہو جائیں

۱ بعض نے اسے اسماء الٰہی میں شمار کیا ہے۔ بعض کی رائے میں یہ سورۃ کا نام ہے اور بعض علماء کے نزدیک مختلف الفاظ پر دلالت کرنے کے لیے یہ حروف بطور رمز ذکر کیے گئے ہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اللہ اور رسول کے درمیان یہ ایک راز ہے۔ والحق انہ رمز بین اللہ ورسولہ۔ (مظہری)

۲ مبین کا معنی ہے خود روشن یا دوسری چیزوں کو روشن کرنے والی چاروں طرف اجالا کرنے والی۔ کونسی ایسی کتاب ہے جسے اس کتاب نے نہیں کھولا۔ کون سا ایسا عقدہ ہے جس کا حل قرآن نے پیش نہیں کیا حقیقت پر جتنے پردے پڑے ہوئے تھے سب کو اس نے تار تار کر کے حقیقت کو آشکارا کیا۔ اگر ایسی کتاب، کتاب مبین نہیں تو پھر کون سی کتاب ہے جو اس لقب سے نوازے جانے کے قابل ہو۔

۳ جو رگ ریڑھ کی ہڈی میں سے گزرتی ہوئی گردن میں پہنچتی ہے اسے بخاع کہتے ہیں جب ذبح کرتے وقت چھری یہاں تک پہنچ جائے تو ذبح مکمل ہو جاتی ہے۔ اسی سے باخع ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے ایسا ذبح کرنے والا جس نے چھری بخاع تک پہنچا دی ہو غم و اندوہ سے جب کوئی اپنی جان گنوا دے تو کہتے ہیں بخع نفسہ ای قتلہا غما۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شبانہ روز کوششوں کے باوجود کفار کی ضد بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ کفر پر وہ اور پکے ہوتے جاتے ہیں۔ اسلام سے ان کی نفرت میں آئے دن اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس المناک صورت حال کو دیکھ کر اس قلب شفیق پر جو گزرتی ہوگی اس کا اندازہ خداوند تعالیٰ کے سوا اور کون لگا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے محبوب تو ان لوگوں کے غم میں کیوں گھلا جا رہا ہے۔ اتنا دلگیر اور غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں تو نے اپنا

اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝٤ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

ان کی گردنیں اس کے آگے جھکی ہوتی ۵ اور نہیں آیا کرتی ان کے پاس کوئی تازہ نصیحت الرحمٰن کی جانب سے

مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا

مگر یہ کہ وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تو بیشک انہوں نے تکذیب کی سو مل جائے گی انہیں اطلاع اس کی ۶

فرض بڑی خوش اسلوبی سے ادا کر دیا۔ ایمان لانا یا نہ لانا ان کا اپنا کام ہے۔ ایمان نہیں لائیں گے تو خود اس کی سزا بھگتیں گے۔

۴ اگر ہماری مرضی ہوتی کہ یہ سب کے سب مشرف باسلام ہو جائیں تو ہم انہیں کوئی ایسی نشانی دکھاتے جس کے بعد انہیں انکار کی گنجائش ہی باقی نہ رہتی۔ ہماری مشیت یہ ہے کہ انسان کو عقل و فہم کی قوتوں کو بروئے کار لانے کی جزوی آزادی دی جائے۔ حق و باطل اس کے سامنے واضح کر دیا جائے۔ پھر اس کو اختیار دیا جائے کہ اپنی مرضی سے ان دو راہوں میں سے کوئی راہ اختیار کرے تاکہ اگر کوئی نیکی کا راستہ اختیار کرے تو وہ اجر کا مستحق قرار پائے اور اگر کوئی بدی کی راہ پر چلے تو سزا کا مستوجب ہو۔ جبر و تشدد سے کسی انسان کو راہ حق پر چلانا نہ اس کی شان کے شایاں ہے اور نہ یہ بات ہمیں پسند ہے۔

۵ اعناقھم ظلت کا اسم ہے، خاضعین خبر ہے۔ نحوی قاعدے کے مطابق خاضعۃ ہونا چاہیے تھا لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ اسم اگر مرکب اضافی ہو تو اس کی خبر یا اس کے فعل میں مضاف سے مطابقت کا خیال رکھنے کے بجائے مضاف الیہ کی مطابقت کا خیال رکھا جاتا ہے۔ راجز کا شعر ہے ؎

طول اللیالی اسرعت فی نقضی　　طوین طولی وطوین عرضی

یہاں اسرعت اور طوین کا فاعل طول اللیالی ہے اور طول کیونکہ مذکر ہے اس لیے اسرع اور طوی ہونا چاہیے تھا لیکن یہاں طول مضاف کو نظر انداز کر کے اللیالی کا لحاظ رکھا گیا اور فعل مؤنث لایا گیا۔ جریر کا شعر ؎

اری مرالسنین اخذن منی　　کما اخذ السرار من الھلال

یہاں بھی سنین کی وجہ سے اخذن ذکر کیا گیا۔ اگر مر السنین کا لحاظ ہوتا تو اخذ کہا جاتا لیکن ایسا کرنا فقط اس مقام پر درست ہوگا جہاں اگر مضاف کو گرا دیا جائے تو معنی میں فساد نمودار نہ ہو۔ فراء اور ابو عبیدہ نے اس توجیہ کو پسند کیا ہے۔ وعلیٰ ھٰذا اعتمد الفراء وابو عبیدہ۔ (قرطبی)

لیکن اعناق رؤساء کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے۔ پھر اس تاویل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ قال مجاھد اعناقھم کبراؤھم۔ اور نحاس نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ معنی لغت میں معروف ہے۔ وقال النحاس ومعروف فی اللغۃ۔

۶ ان کفار کا یہ پرانا شیوہ ہے کہ جب بھی کوئی نبی اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کو

مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٦ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا

امر کی جس کے ساتھ وہ استہزاء کیا کرتے تھے۔ کیا انھوں نے نہیں دیکھا زمین کی طرف کہ کتنی کثرت سے ہم نے اگائے

فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝٧ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

ہیں اس میں ہر طرح کے مفید پودے ۷ بیشک اس میں ان کے لیے قدرت الٰہی کی نشانی ہے۔ اور ان سے اکثر لوگ

مُّؤْمِنِيْنَ ۝٨ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٩ وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ ع ٥

ایمان نہیں لائیں گے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب (اور) ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور یاد کرو جب ندا دی آپ کے

مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝١١

رب نے موسیٰ کو ۸ (اور فرمایا) کہ جاؤ ظالم لوگوں کے پاس ۹ یعنی قوم فرعون کے پاس کیا وہ (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے

جھٹلایا اور اس کی بات سننے سے انکار کر دیا لیکن انھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ عناد و تعصب کا جو راستہ انھوں نے اختیار کر رکھا تھا وہ غلط تھا۔ صحیح اور سچی بات وہی تھی جو اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں بتائی تھی۔

۷ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ جس سے ہمیں آپ کی دعوت کی صداقت کا یقین ہو جائے۔ جواب میں فرمایا کہ اپنے اردگرد پھیلے ہوئے سرسبز مرغزاروں، لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور شاداب باغوں کو دیکھو کیا ان کے پتے پتے پر قدرت کی ایسی روشن نشانیاں موجود نہیں۔ اگر تم ہدایت پذیری کے لیے کسی نشانی کا مطالبہ کر رہے ہو، پھر تو تمہیں یہی نشانیاں حقیقت کی طرف رہنمائی کر دیں گی۔ لیکن اگر تمہاری مطلوبہ نشانی سے مراد وہ عذاب ہے جو منکرین پر نازل ہوتا ہے تو ان کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے۔ لیکن اس سے تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا۔ وہ دن تو تمہاری تباہی و بربادی کا دن ہوگا۔ نادان نہ بنو، اپنے منہ سے اپنی تباہی کا مطالبہ نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کی ان روشن نشانیوں کو غور سے دیکھو جو تمہارے اردگرد بڑے قرینے سے سجا دی گئی ہیں اور ایمان لا کر اپنی ابدی فلاح کا اہتمام کر لو۔ کریم کا معنیٰ ہے کثیر المنفعۃ۔ آیت میں کم کثرت اور کل احاطۂ کثرت پر دلالت کر رہا ہے۔ (مظہری)

۸ مزید اطمینان دلانے کے لیے سابقہ انبیاء کے واقعات بیان فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح انھیں قوی اور جابر دشمنوں سے واسطہ پڑا اور ہماری تائید و نصرت سے وہ اپنی بے سروسامانی کے باوجود کامیاب و کامران ہوئے اور ان کے اعداء اور بدخواہ تباہ و ویران ہوئے۔ اسی طرح نصرت خداوندی آپ کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ دنیا کی کوئی طاغوتی طاقت آپ کو گزند نہیں پہنچا سکے گی۔ ان کی کوئی کوشش اسلام کے سیل رواں کو روک نہیں سکے گی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۱۲﴾ وَ یَضِیْقُ صَدْرِیْ وَ لَا

آپ نے عرض کی میرے رب! میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے اور گھٹتا ہے میرا سینہ اور روانی سے

یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ

نہیں چلتی میری زبان۔ سو (از راہِ کرم) وحی بھیج ہارون کی طرف۔ اور (تو جانتا ہے کہ) ان کا میرے ذمہ ایک جرم بھی ہے

اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ اللہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہو سکتا پس تم دونوں ہماری نشانیاں لیکر جاؤ ہم تمہارے

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾ اَنْ اَرْسِلْ

ساتھ ہیں (اور سب بات سننے والے ہیں۔ سو دونوں جاؤ فرعون کے پاس اور اسے کہو ہم فرستادے ہیں رب العالمین کے (ہم تمہیں کہتے ہیں) کہ

شکوک و شبہات کا غبار چھٹ جائے گا اور نورِ توحید سے دشت و جبل کوہ و دمن جگمگانے لگیں گے۔ سب سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

۹ فرعون اور اس کی قوم کو ظالم کہنے کی کئی وجوہ ہیں۔ وہ اس لیے بھی ظالم تھے کہ خداوند کریم کو چھوڑ کر انھوں نے فرعون اور کواکب کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔ بنی اسرائیل کو انھوں نے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا۔ بڑی بے رحمی سے ان سے جسمانی مشقت کا کام کراتے اور مناسب اجرت کبھی نہ دیتے۔ پھر یہ کہ ان کے معصوم بچوں کے قتل عام کا قانون نافذ کر کے انھوں نے ظلم کی انتہا کر دی تھی۔ اگر یہ قوم ظالم نہیں کہلائے گی تو پھر ظالم کہلانے کا کون مستحق ہوگا۔ نبوت و رسالت کی نازک ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی کہ میں بسا اوقات دل میں تنگی محسوس کرتا ہوں۔ میری زبان میں لکنت بھی ہے۔ میرے ذمے ان کا ایک قتل بھی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ میں تبلیغ کا حق ادا کرنے سے قاصر رہوں۔ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اگر اسے میرا معاون بنا دیا جائے تو ہم دونوں مل کر بہتر طریقہ سے اپنا فرض ادا کر سکیں گے۔

۱۰ موسیٰ تمہاری درخواست منظور ہے۔ حضرت ہارون کو تمہارا شریکِ کار بنا دیا گیا ہے۔ بے فکر رہو فرعون تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔ جاؤ میں تم سب کی باتوں کو سنوں گا اور تمہاری حفاظت کروں گا۔

۱۱ اپنی معیت اور نصرت کا یقین دلا کر انھیں نازک ترین مہم پر روانہ کیا جا رہا ہے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے کہا کہ ہمیں رب العالمین نے بھیجا ہے اور ہم اس لیے آتے ہیں کہ تو بنی اسرائیل کو

مَعَنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ

بھیج دے ہمارے ساتھ (ہماری قوم) بنی اسرائیل کو۔ فرعون نے (یہ سنکر) کہا موسیٰ! کیا ہم نے تجھے پالا نہیں تھا اپنے یہاں جبکہ تو بچہ تھا

فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَ

اور بسر کیے تو نے ہمارے پاس اپنی عمر کے کئی سال ۱۲ اور تو نے ارتکاب کیا اس فعل کا جس کا تو نے ارتکاب کیا اور تو

اَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

بڑا احسان فراموش ہے۔ آپ نے جواب دیا میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جبکہ میں ناواقف تھا ۱۳

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ

تو میں بھاگ گیا تھا تمہارے ہاں سے۔ جبکہ میں تم سے ڈر اپس بخش دیا مجھے میرے رب نے حکم، اور بنا دیا مجھے

اپنی غلامی سے آزاد کر دے تاکہ ہم انھیں لے کر اپنے آبائی وطن شام کی طرف ہجرت کر جائیں۔

۱۲ موسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں باتیں اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں پہلی بات سے براہِ راست اُس کی خدائی پر زد پڑتی تھی۔ اس نے تو یہ دعویٰ کر رکھا تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ، اور انھیں یقین دلاتا تھا کہ ما علمت لکم من الٰہ غیری میں اپنے سوا تمہارے لیے کسی خدا کو نہیں جانتا۔ اب وہ کیسے گوارا کرتا کہ اس کے پرستاروں کے مجمع میں رب العالمین کا کوئی ذکر کرے۔ رہا بنی اسرائیل کی آزادی کا مسئلہ تو اس پر بھی وہ غور کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ بنی اسرائیل کو ہجرت کی اجازت دے کر اپنی قوم کو ایسے جفاکش مزدوروں کی خدمات سے محروم کر دینا نہیں چاہتا تھا۔ جو اپنے قبطی آقاؤں کی زمین میں کھیتی باڑی کرتے، جو ان کے لیے شاندار محلات تعمیر کرتے، اور ان کو راحت و آرام پہنچانے کے لیے آٹھوں پہر بے زبان چوپایوں کی طرح کام میں جُتے رہتے تھے۔ اس طرح تو ملک کے سارے معاشی نظام کے تلپٹ ہو جانے کا خطرہ تھا چنانچہ آپ کی دونوں باتیں سُن کر وہ بپھرا اور کہنے لگا کہ تمہاری یہ ہمت کہ مجھ سے دُو بدُو باتیں کرو۔ تم وہی نہیں جسے ماں نے ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں پھینک دیا تھا اور ہم نے تجھے تابوت سے نکالا اور بڑے ناز و نعم سے تمہیں پالا۔ عرصہ دراز تک تم ہمارے پاس رہے اور ہم تمہاری ہر طرح کی ناز برداریاں کرتے رہے۔ تم آج ہمیں آنکھیں دکھانے اور اپنے مطالبات منوانے آئے ہو۔ تمہیں یاد ہونا چاہیے کہ تم ہمارے قاتل بھی ہو۔ اس سے پہلے تو تم نے کبھی ہماری خدائی پر اعتراض نہ کیا اور نہ کبھی بنی اسرائیل کی لیڈری کا دعویٰ کیا۔

۱۳ آپ نے پہلے اس کی دوسری بات کا جواب دیا کہ ٹھیک ہے ایک قبطی میرے ہاتھ سے مارا گیا تھا میرا

مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ

رسولوں سے ۱۴ اور یہ نعمت ہے جس کا تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے۔ حالانکہ تو نے غلام بنا رکھا ہے

اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۲﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ

بنی اسرائیل کو ۱۵ فرعون نے پوچھا کیا حقیقت ہے رب العلمین کی؟ ۱۶ آپ نے فرمایا رب العلمین وہ

وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ

ہے جو) مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ انکے درمیان ہے اگر ہو تم یقین کرنیوالے ۱۷ فرعون نے اپنے ارد گرد بیٹھنے والوں سے

اُسے قتل کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا۔ وہ میرے قومی بھائی سے ہاتھا پائی کر رہا تھا میں نے اسے ایک گھونسا رسید کیا اور وہ مر گیا۔ یہاں ضالین ناواقف کے معنی میں مستعمل ہے۔

۱۴ اب میرے رب نے مجھ پر کرم کیا مجھے حکمت اور رسالت سے نوازا اور اسی نے یہ پیغام پہنچانے کے لیے تیرے پاس بھیجا۔

۱۵ دوسرے الزام کا جواب دے کر اب اس کی پہلی بات کا رد فرمایا کہ تو مجھ پر احسان جتلاتا ہے کہ تو نے مجھے پالا ہے۔ یہ احسان جتلاتے ہوئے تجھے شرم نہ آئی۔ تو نے میری ساری قوم کو غلامی کی بیڑیاں پہنا رکھی ہیں۔ تیری قوم ان سے جسمانی مشقت کے ایسے کام لیتی ہے جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اے مجھ پر احسان جتلانے والے کیا تو وہی نہیں جس نے بنی اسرائیل کے معصوم بچوں کو قتل کرنے کا سفاکانہ قانون نافذ کیا تھا۔ تیرے اس ظلم سے بچانے کے لیے مجھے میری ماں نے اپنے کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر نیل کی لہروں کے سپرد کر دیا تھا تو تو مجھے قتل کرنے کے درپے تھا۔ دلوں کے مالک نے تیرا دل پھیر دیا اور تو قتل کرنے کے بجائے مجھ سے پیار کرنے لگا۔ مجھے تیرے محل میں لا کر تیری گود میں پلوانے میں میرے رب کی یہ حکمت تھی کہ وہ تجھے بتانا چاہتا تھا کہ جس بچے سے بچنے کے لیے تو معصوموں کا خون بہا رہا ہے۔ دیکھ یہ وہ بچہ ہے جس کو ہم تیرے محل میں لے آتے ہیں اور تجھے اس کی خدمت پر مامور کر دیا ہے۔ اے خدائی کے جھوٹے دعویدار تو اگر خدا ہوتا تو کیا اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام ہو جاتا اور جس بچے کی ولادت سے تجھے تیرے منجموں اور پروہتوں نے ڈرایا تھا۔ وہ تیری گود میں پلا تو اسے پہچان نہ سکا۔ کیا ایسے بے بس اور بے خبر انسان کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کرے۔

۱۶ موسیٰ علیہ السلام کے دندان شکن جواب نے اس کو اپنے کلام کا رخ بدلنے پر مجبور کر دیا کہنے لگا جس رب العلمین کے تم فرستادہ ہو ذرا اس کی حقیقت تو بیان کرو۔

اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾ قَالَ

کہا کیا تم سن نہیں رہے ۱۸ آپ نے فرمایا وہ جو تمہارا بھی مالک ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی ۱۹ فرعون بولا

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

بلاشبہ تمہارا یہ رسول جو بھیجا گیا ہے تمہاری طرف یہ تو دیوانہ ہے ۲۰ آپ نے (دعاً) فرمایا جو مشرق و

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ

مغرب کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اگر تم کچھ عقل رکھتے ہو ۲۱ اس نے (رعب جماتے ہوئے) کہا

اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ اَوَلَوْ جِئْتُكَ

(یاد رکھو!) اگر تم نے میرے سوا کسی کو خدا بنایا تو میں تمہیں ضرور قیدیوں میں داخل کر دونگا ۲۲ فرمایا اگرچہ میں لے آؤں تیرے پاس

۱۷ کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت دریافت کرنا ہو تو اس سے سوال کیا جاتا ہے، جیسے فرعون نے کہا ما رب العٰلمین؟ لیکن اللہ تعالیٰ کی حقیقت پر آگاہ ہونا انسان کے لیے ناممکن ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس مسئلہ میں الجھنے کے بجائے ان دلائل و شواہد کی طرف اس کی توجہ مبذول کی جن پر اگر غور و فکر کیا جائے تو انسان رب العٰلمین کو پہچان سکتا ہے۔

۱۸ جواب کو سوال کے مطابق نہ پا کر اس نے اپنے اردگرد بیٹھنے والوں پر فاتحانہ نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا سن رہے ہو۔ یہ صاحب میرے سوال کا جو جواب دے رہے ہیں میں نے رب العٰلمین کی حقیقت پوچھی ہے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق ہے۔ حالانکہ علماء فلسفہ اس بات پر متفق ہیں کہ آسمان قدیم ہے وہ کسی خالق کا محتاج نہیں یہ جواب سوال سے ہم آہنگ نہ ہونے کے ساتھ ساتھ علم و فلسفہ کے بھی صراحۃً خلاف ہے۔

۱۹ آپ نے فرمایا رب العٰلمین وہ ہے جس نے تمہیں اور تمہارے باپ دادا کو پیدا کیا اور اپنے آباؤ اجداد کو وہ بھی قدیم تسلیم نہیں کرتے تھے۔

۲۰ ازراہِ استخفاف کہنے لگا تمہارا یہ رسول دیوانہ ہے۔ عقل و فہم سے اسے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ میں پوچھتا کچھ ہوں جواب کچھ دیتا ہے۔

۲۱ آپ نے پھر وار کیا اور فرمایا اے مصر کی محدود مملکت پر اترا کر الوہیت کا دعویٰ کرنے والے! میرا بھیجنے والا وہ ہے جس کی ربوبیت اور سلطانی کا نقارہ مشرق و مغرب میں بج رہا ہے۔ حدودِ مصر کے باہر تو تیرا حکم پرکاہ کی وقعت بھی نہیں رکھتا لیکن میرے پروردگار کا حکم پورب پچھم ہر جگہ نافذ ہے۔

بِشَیْءٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۱﴾

ایک روشن چیز ۲۳ اس نے کہا پھر پیش کرو اسے اگر تم سچے ہو۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّنَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا

پس آپ نے ڈالا اپنا عصا تو اسی وقت وہ صاف اژدھا بن گیا۔ اور آپ نے باہر نکالا اپنا ہاتھ تو

هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ

یک لخت وہ سفید ہو گیا دیکھنے والوں کے لیے۔ (یہ دیکھ کر) فرعون نے اپنے آس پاس بیٹھنے والے درباریوں سے کہا واقعی یہ

عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَاذَا

ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ نکال دے تمھیں اپنے ملک سے اپنے جادو (کے زور) سے ۲۴ اب بتاؤ تمھاری

تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۳۶﴾

کیا رائے ہے؟ بولے مہلت دو اسے اور اس کے بھائی کو اور بھیجو شہروں میں ہرکارے ۲۵ تاکہ وہ

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِیْمٍ ﴿۳۷﴾ فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِیْقَاتِ یَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾

لے آئیں تیرے پاس (ملک کے کونے کونے) تمام ماہر جادوگر۔ الغرض جمع کر لیے گئے سارے جادوگر مقررہ وقت پر ایک خاص دن۔

۲۲ بحث و مناظرہ کے میدان میں لاجواب ہو کر فرعون دھمکی دینے پر اتر آتا ہے۔

۲۳ آپ اپنے معجزات دکھا کر اپنے دعوئ نبوت کی صداقت ثابت کرتے ہیں۔

۲۴ وہ آپ پر ماہر جادوگر ہونے کا الزام لگاتا ہے اور اپنے درباریوں کو بھڑکانے کے لیے کہتا ہے کہ نبوت کا ڈھونگ رچا کر یہ اپنا تسلط جمانا چاہتا ہے یہ اقتدار کا بھوکا ہے۔ اپنے جادو کے زور سے ہمارا تخت و تاج چھیننا چاہتا ہے۔ اب بتاؤ تمھاری کیا رائے ہے۔ کیا پیچھے سے عنانِ حکومت ان کے حوالے کر دی جائے اور کل تک ان کا آقا رہنے کے بعد انھیں اپنا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔

۲۵ انھوں نے مشورہ دیا کہ ملک بھر کے ماہر جادوگروں کو بلا کر اسے عبرت ناک شکست دی جائے۔

وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿٣٩﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ

اور کہہ دیا گیا لوگوں سے کیا تم (مقابلہ دیکھنے کے لیے) اکٹھے ہو گئے؟ شاید ہم پیروی کرتے رہیں جادوگروں کی

اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤٠﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ

اگر وہ (مقابلہ میں) غالب آجائیں۔ جب حاضر ہوئے جادوگر ۲۶ تو انھوں نے فرعون سے پوچھا

اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿٤١﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ

کیا ہمیں کوئی انعام بھی ملے گا اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آجائیں؟ اس نے کہا ہاں ضرور ملے گا اور تم اس وقت

اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٢﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾

میرے مقربوں میں شامل کر لیے جاؤ گے۔ موسیٰ نے انھیں فرمایا پھینکو جو تم پھینکنے والے ہو۔ تو

فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ

انھوں نے پھینک دیں اپنی رسیاں اور اپنی لاٹھیاں (میدان میں) اور (بڑے وثوق سے) کہا ناموس فرعون کی قسم ہم ہی

الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾

یقیناً غالب آئیں گے۔ پھر پھینکا موسیٰ نے اپنا سونٹا تو وہ یکایک نگلنے لگ گیا جو فریب انھوں نے بنا رکھا تھا ۲۷

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾ رَبِّ

پس (یہ معجزہ دیکھ کر) گر پڑے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے ۲۸ انھوں نے (برملا) کہہ دیا ہم ایمان لائے رب العٰلمین پر جو رب ہے

۲۶ ساحرانِ مصر کو اپنے فن پر بڑا ناز تھا۔ انھیں یقین تھا کہ وہ جیت جائیں گے، اس لیے پہلے ہی فرعون سے انعامات کا وعدہ لے رہے ہیں۔ فرعون انھیں انعامات سے مالا مال کر دینے کے وعدہ کے ساتھ ساتھ انھیں یہ بتا رہا ہے کہ میں تمھیں اپنے مقربین کی صف میں شامل کروں گا اور شاہی دربار میں وزراء مملکت کے پہلو بہ پہلو تمھارے لیے سنہری کرسیاں بچھائی جایا کریں گی۔

۲۷ مقابلہ شروع ہوا۔ عصاءِ موسیٰ بپھرے ہوئے اژدہا کی طرح منہ کھولے ہوئے ان کی رسیوں اور سوٹیوں

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۴۸﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ

موسیٰ اور ہارون کا۔ فرعون نے (دھمکانے کے لیے) کہا تم تو ایمان لا چکے تھے اس پر اس سے پہلے کہ میں تمہیں

لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۟ لَاُقَطِّعَنَّ

مقابلہ کی اجازت دیتا۔ یہ تو تمہارا بڑا گرو ہے ۲۹ جس نے تمہیں سحر کا فن سکھایا ہے ابھی (اس سازش کا انجام) تمہیں معلوم ہو جائیگا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۹﴾

میں ضرور کاٹ دونگا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرفوں سے اور میں تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔ انہوں

قَالُوْا لَا ضَيْرَ ۖ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۵۰﴾ اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا

نے جواب دیا ۳۰ ہمیں اس کی ذرا پروا نہیں۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں ہمیں یہ امید ہے کہ بخش دیگا

رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى

ہمارے لیے ہمارا رب ہماری خطائیں۔ کیونکہ ہم (تیری قوم میں سے) پہلے ایمان لانیوالے ہیں۔ اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف

اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ

کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ ۳۱ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائیگا پس بھیجے فرعون نے سارے شہروں میں

کی طرف لپکا جو دیکھنے والوں کو سانپوں کی طرح لہراتی اور بل کھاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور ان کو ہڑپ کرنا شروع کر دیا۔

۲۸ ساحرانِ مصر پر آپ کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی اور وہ اپنے ایمان لانے کا برملا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدے میں گر پڑے۔

۲۹ فرعون نے جھٹ ان پر یہ الزام لگا دیا کہ یہ تمہارا بڑا گرو ہے اور تم اس کے چیلے ہو تم سب نے مل کر حکومت کا تختہ اُلٹنے کی سازش کی ہے۔ میں تمہیں وہ سزا دونگا کہ تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔

۳۰ ایمان کی شمع روشن ہوئی تو خوف و ہراس کے سارے اندھیرے رفوچکر ہو گئے۔ جرأت و شجاعت کے خفتہ جذبات جوان ہو گئے۔ تمام خطرات سے بے نیاز ہو کر انھوں نے اعلان کر دیا لاضیر انا الی ربنا منقلبون۔ ان تمام امور کی تفصیل سورۂ الاعراف میں گزر چکی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاِنَّهُمْ لَنَا

ہرکارے ۳۲ (تاکہ لوگوں کو بتائیں) یہ لوگ ایک چھوٹی سی جماعت ہیں ۳۳ اور انھوں نے ہمیں سخت

۳۱ مصر کے گوشہ گوشہ سے سمٹ کر آنے والے ہزاروں لوگوں نے یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ملک کے مایۂ ناز ساحروں کا ایک جم غفیر غلام قوم کے دو آدمیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے اکٹھا ہوا۔ اپنے آبائی دین کو بچانے کے لیے فرعون کے لرزتے ہوئے تخت کو سہارا دینے کے لیے، اپنی قومی حکومت کو نئے ابھرتے ہوئے خطرہ سے محفوظ رکھنے کے لیے کون سا جتن ہوگا جو انھوں نے نہ کیا ہوگا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کے ایک ڈنڈے نے اژدہا بن کر ان کے سارے نشے ہرن کر دیئے۔ اس شکست فاش سے لازمی طور پر سامعین کے ذہن متاثر ہوئے ہوں گے اور جادوگروں کے برملا ایمان لانے سے ناظرین کے قلوب میں جو ہلچل پیدا ہوئی اس کا اندازہ لگانا بھی زیادہ مشکل نہیں۔ لیکن فرعون کی چال بھی کامیاب رہی۔ اس نے ساحروں پر سازش کا الزام لگا کر اپنا بھرم رکھ لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شخصی استبداد نے مصریوں سے غور و فکر کی ساری صلاحیتیں چھین لی تھیں۔ وہ فرعون کے الزام کو صحیح ماننے لگے تھے۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے جادوگروں کی ایمانی شجاعت کا مشاہدہ کیا۔ اس بے پایاں مسرت کو بھی دیکھا جس کا اظہار انھوں نے شہادت کا جام نوش کرتے ہوئے کیا۔ لیکن انھیں کچھ عبرت حاصل نہ ہوئی۔ جس طرح پہلے آنکھیں بند کر کے وہ فرعون کی بندگی کرتے آرہے تھے اسی طرح آنکھیں موند کر اس کی بندگی کرنے لگ گئے۔ تاریخ ہمیں کوئی ایسی شہادت مہیا نہیں کرتی جس سے اندازہ کیا جا سکے کہ انھوں نے فرعون کی اس شکست فاش سے کوئی اثر قبول کیا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فما امن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ علی خوف من فرعون وملائھم (یونس)۔ چنانچہ اسی حالت میں کئی سال گزر گئے۔ بنی اسرائیل پر ان کی سختی میں مزید اضافہ ہوتا گیا۔ ان کے خلاف ان کا رویہ دن بدن شدت اختیار کرتا گیا۔ بنی اسرائیل نے ازراہ شکایت حضرت کلیم سے کہا بھی قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا ومن بعد ما جئتنا۔ حضرت موسیٰ نے فرعون اور اس کی قوم کو راہ ہدایت پر لانے کے لیے بڑی کوششیں کیں۔ کئی معجزات دکھائے جن کا ذکر الاعراف میں تفصیلاً گزر چکا ہے لیکن وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ جب پانی سر سے گزر گیا اور ظلم و ستم کی انتہا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو راتوں رات ہجرت کرنے کا حکم دیا۔

۳۲ جب فرعون کو پتہ چلا کہ بنی اسرائیل رات کی تاریکی میں یہاں سے کوچ کر گئے ہیں تو اس نے ان کا تعاقب کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے وہ دل ہی دل میں بڑا خائف تھا۔ اس لیے تعاقب کرنے سے پہلے پوری تیاری کرنا ضروری سمجھا۔ ملک کے گوشہ گوشہ میں قاصد بھیج دیئے گئے کہ فرعونی فوج کے دستے جہاں جہاں ہوں جلد از جلد پایۂ تخت میں پہنچیں۔

۳۳ ملک بھر میں اس افراتفری اور عام لام بندی سے خوف و ہراس کا پھیلنا ایک قدرتی امر تھا۔ اس کا ازالہ کرنے کے لیے فرعون نے یہ بات بنائی کہ ہمیں اسرائیلیوں سے کسی شدید مقابلہ کی ہرگز توقع نہیں۔ وہ مٹھی بھر آدمی ہم سے

لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ

برافروختہ کر دیا ہے (تاہم فکر نہ کرو) ہم سب (ان کے متعلق) بہت محتاط ہیں۔ سو ہم نے نکالا انھیں ۳۴ (سرسبز) باغوں

وَّعُیُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِیْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِیْٓ

اور (بہتے ہوئے) چشموں اور (بھرپور) خزانوں اور شاندار محلات سے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں

اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ

کا وارث بنا دیا پس وہ ان کے تعاقب میں نکلے ۳۵ اشراق کے وقت پس جب ایک دوسرے کو دیکھ لیا دونوں گروہوں نے

لڑنے کی جرأت ہی کب کر سکتے ہیں لیکن ہم ان کو اس فرار کی پوری پوری سزا دینا چاہتے ہیں۔ اگرچہ فوج کا ایک مختصر دستہ بھی ان سے نمٹ سکتا ہے لیکن دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرنے میں تساہل نہ برتا جائے تم بیفکر رہو، ہم نے ساری تدبیریں اور انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ بظاہر تو وہ بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہا تھا لیکن دل سینہ میں دھڑک رہا تھا اور بعض مفسرین کے قول کے مطابق ڈر کے مارے اس کا پیشاب بھی نکل جاتا تھا۔

الشرذمۃ الجمع القلیل المختصر مختصر اور حقیر گروہ کو شرذمہ کہتے ہیں۔ اس کی جمع الشراذم ہے۔

قال الجوھری الشرذمۃ الطائفۃ من الناس۔ حاذرون اخذنا حذرنا واسلحتنا۔ ہم نے پوری احتیاط کر لی ہے اور اسلحہ بھی فراہم کر لیا ہے۔

۳۴ ہو سکتا تھا کہ بنی اسرائیل کی اس ہجرت کو وہ زیادہ اہمیت نہ دیتے اور خاموش ہو جاتے، یا فوج کے کسی افسر کو ان کا تعاقب کرنے کے لیے بھیج دیتے، لیکن قدرت نے ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ خود فرعون اپنے وزراء و امراء کو ہمراہ لے کر اپنی ساری فوجوں کے ساتھ نکل کھڑا ہوا۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ جب عذاب الٰہی آئے تو سب نابکار ایک جگہ اکٹھے ہوں اور ایک ضرب سے ہی ان کا کام تمام کر دیا جائے، اور ان ظالموں کی بربادی پر ماتم کرنے کے لیے بھی کوئی پیچھے نہ رہے۔ اس اہتمام کے ساتھ فرعون اور اس کے امراء کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلنا چونکہ قدرت کے خاص انتظام اور خفیہ تدبیر کے ماتحت ہو رہا تھا اس لیے فاخرجناھم کے الفاظ سے ان کے خروج کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے ان کو اس طرح نکلنے پر اکسایا۔

۳۵ جب سورج طلوع ہو تو عرب کہتے ہیں شرقت الشمس اور جب اس کی روشنی پھیل جائے تو کہتے ہیں اشرقت الشمس۔ اس لیے مشرقین کا معنی ہوگا کہ جب سورج چڑھ آیا اور اس کی روشنی ہر طرف پھیل گئی تو فرعون بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔

أَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ

تو موسیٰ کے ساتھی کہنے لگے دہائے ۳۶ ہم تو یقیناً پکڑ لیے گئے آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ بلاشبہ میرے ساتھ میرا

سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ

رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائیگا ۳۷ تو ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ ضرب لگاؤ اپنے عصا سے سمندر کو ۳۸

فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ

تو سمندر پھٹ گیا اور ہو گیا پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی مانند ۳۹ اور ہم نے قریب کر دیا وہاں

۳۶ فرعون جب اتنا قریب پہنچ گیا کہ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو بنی اسرائیل کے حواس باختہ ہو گئے۔ سامنے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور پیچھے سے فرعون کے لشکر جرار نے گھیرا تنگ کر دیا ہے۔ گھبرا کر کہنے لگے ہم تو پکڑے گئے۔ اب کیا ہوگا۔ تو اور، ایک دوسرے کو دیکھنا۔

۳۷ موسیٰ علیہ السلام کے توکل علی اللہ کی شان ملاحظہ ہو انہیں بھی نظر آ رہا ہے کہ سامنے بحر بیکراں ہے جس کی تند و تیز موجیں ساحل سے آ آ کر ٹکرا رہی ہیں اور ادھر فرعون ہے جو غیظ و غضب سے دیوانہ ہو رہا ہے لیکن کیا مجال کہ ان بظاہر حوصلہ شکن حالات میں بھی کلیم کی پیشانی پر شکن تک پڑا ہو یا دل میں گھبراہٹ کا گزر تک ہوا ہو۔ گھبراتے ہوئے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرماتے ہیں "کلا" ہمیں وہ ہرگز نہیں پکڑ سکتا، میرے ساتھ میرا رب ہے۔ میں اس کے حکم سے تمہیں لے کر نکلا ہوں وہ ضرور ہماری رہنمائی فرمائے گا۔ کتنا پختہ ہے آپ کا یقین، کتنا پختہ ہے آپ کا توکل اور کیا جلال ہے آپ کے اس جملے میں۔ نبوت کی عظمت ایسے ہی نازک حالات میں پوری آب و تاب سے جلوہ نما ہوتی ہے۔

۳۸ فوراً ارشاد ہوا۔ اپنے عصا کی ایک ضرب لگاؤ اس سمندر کو، پھر دیکھو یہ راستہ دیتا ہے یا نہیں۔

۳۹ آپ نے ایسا ہی کیا۔ سمندر کی اچھلتی اور شور مچاتی ہوئی موجوں پر سکتہ طاری ہو گیا، جیسے کسی نے سرکش گھوڑے کے منہ میں لگام دے دی ہو۔ سمندر میں شگاف پیدا ہو گیا اور پانی کی لہریں اونچے اونچے پہاڑوں کی طرح جامد و ساکت ہو کر کھڑی ہو گئیں اور آپ اپنی قوم سمیت اس راستہ پر چل پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھا دوں جو موسیٰ نے اس وقت کہے تھے جب آپ نے سمندر کو پھاڑا تھا۔ میں نے عرض کی میرے آقا ضرور کرم فرمائیے۔ حضورؐ نے فرمایا اللھم لک الحمد والیک المشتکیٰ وبک المستغاث انت المستعان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے حضورؐ سے ان کلمات کو سنا میں ہمیشہ ان کا ورد کیا کرتا ہوں (روح البیان)۔

الْاٰخَرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَاَنْجَیْنَا مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗۤ اَجْمَعِیْنَ ﴿۶۵﴾ ثُمَّ

دوسرے فریق کو ﴿۶۴﴾ اور ہم نے بچالیا (ان تند موجوں سے) موسیٰؑ اور ان کے سب ہمراہیوں کو۔ پھر ہم نے

اس قسم کا ایک واقعہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آیا تھا۔ ہجرت کی رات جب حضور غار ثور میں اپنے رفیق صدیق کے ساتھ تشریف فرما تھے تو کفار مکہ تلاش کرتے ہوئے اس غار کے دہانہ تک آپہنچے۔ حضرت صدیق کو تشویش ہوئی کہ مبادا وہ جھک کر دیکھیں اور ہمیں پالیں۔ ان کے اطمینان کے لیے زبان مصطفیٰ سے نکلا تھا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے صدیق میرے لیے فکر مند نہ ہو، بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ان الفاظ میں اور حضرت کلیمؑ کے الفاظ میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا مقام حبیبؐ اور مقام کلیمؑ میں ہے۔ کلیمؑ نے پہلے اپنا ذکر کیا بعد میں ربی کہا۔ حبیبؐ نے پہلے "اِنَّ اللّٰهَ" فرمایا، بعد میں معنا فرمایا۔ پھر انھوں نے "ربی" جو اسم صفاتی ہے اس کو ذکر کیا اور حضورؐ نے اللہ جو اسم ذات ہے انھوں نے معیت ربانی کو اپنی ذات کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے "معی" میرے ساتھ فرمایا اور حبیبؐ نے "معنا" فرما کر اپنے صدیق کو بھی معیت الٰہی کے شرف سے مشرف فرمایا۔ صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ وکلیمہ وسائر انبیائہ وبارک وسلم۔

﴿۶۴﴾ فرعون سمجھا کہ یہ راستہ یوں ہی بنا رہے گا۔ لہریں اسی طرح کھڑی رہیں گی چنانچہ وہ بھی اپنے لاؤ لشکر سمیت سمندر میں اتر گیا۔ جب وہ اچھی طرح سمندر میں داخل ہو گیا تو وہ پانی کے پہاڑ جو ایک لمحہ پہلے چپ چاپ کھڑے تھے متحرک ہو گئے اور خاموش موجیں گرجتی ہوئی ان کی طرف لپکیں اور چشم زدن میں ان سب کو خس وخاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ الخ موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر نے راستہ کیوں چھوڑ دیا اور اس کی موجیں کیوں رک گئیں، اور جب فرعون آیا تو ان میں یکایک روانی کیسے پیدا ہو گئی، اس کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد اول سورہ بقرہ آیت ۵۰ اور دیگر مقامات۔ مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر چیز پر غالب ہے۔ ندی کا پانی ہو یا سمندر کا۔ موسلا دھار بارشیں ہوں یا طغیانیاں، ہر چیز اپنے خالق کے اشارہ کی تعمیل کرتی ہے۔ بعض لوگ جو معجزات کو تسلیم کرنے سے بدکتے ہیں وہ اس واقعہ کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مدوجزر کی حالت میں یہ واقعہ رونما ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام گزرے تو جزر کی وجہ سے سمندر کا پانی سمٹ گیا تھا اور جب فرعون گزرنے لگا تو مد کی حالت نمودار ہو گئی اور وہ ڈوب گیا۔ اور بعض نے یہ تاویل بھی کی ہے کہ اتنے زور کا جھکڑ چلا کہ سمندر میں شگاف پیدا ہو گیا۔ یہ دونوں باتیں انتہائی طور پر مضحکہ خیز ہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل کے ہزارہا افراد تھے، انھیں سمندر کو عبور کرتے ہوئے کافی وقت لگا ہوگا۔ پھر فرعون کا لشکر جو ہزارہا گھڑ سواروں اور پیادہ فوجی دستوں پر مشتمل تھا اسے بھی سمندر میں اچھی طرح داخل ہونے کے لیے کافی وقت درکار تھا۔ کیا جزر اتنا طویل ہوتا ہے یا جھکڑ کی وجہ سے اتنے عرصہ دراز تک سمندر میں شگاف باقی رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ نیز سورۃ طٰہٰ میں صراحۃً مذکور ہے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا کہ عصا مار کر سمندر میں ان کے لیے ایسا راستہ بنا دو جو خشک ہو تو اس طرح کا خشک راستہ بنانا نہ جھکڑوں کا کام ہے اور نہ مدوجزر سے کبھی ایسا واقعہ وقوع پذیر ہوا ہے اس لیے

اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

غرق کر دیا دوسرے فریق کو۔ اس واقعہ میں (بڑی واضح) نشانی ہے۔ اور ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ

والے نہیں۔ اور بیشک (اے حبیب!) آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ اور آپ بیان فرمائیے

اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ

انکے سامنے ابراہیم کا قصہ ۴۱ جب آپ نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو ۴۲ انہوں نے کہا ہم تو پوجتے

اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ

ہیں بتوں کو اور ہم انہی کی پوجا میں ہر وقت منہمک ۴۳ رہتے ہیں۔ آپ نے پوچھا بھلا یہ بتاؤ کیا وہ سنتے ہیں تمہاری آواز جب

تَدْعُوْنَ ﴿٧٢﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا

تم انہیں پکارتے ہو۔ یا وہ تمہیں (کچھ) نفع پہنچا سکتے ہیں یا ضرر پہنچا سکتے ہیں ۴۴ انہوں نے (لاجواب ہو کر) کہا بلکہ ہم نے تو پایا

قرآن کریم کی ایسی تاویلیں کرنا جن کا معقولیت سے دور کا واسطہ بھی نہ ہو اسلام کی کوئی خدمت نہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی قدرت کی ایک نشانی فرمایا ہے۔

۴۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد حضرت خلیل علیہ السلام کا ذکر خیر فرمایا جا رہا ہے۔ کیونکہ آپ قبائل قریش کے جدِ اعلیٰ اور کعبہ کے بانی تھے۔ قریش کو ان کی نسل سے ہونے پر بڑا ناز تھا۔ اسی وجہ سے وہ کعبہ کے متولی تھے۔ اور ملک بھر میں بڑی عزت و احترام سے دیکھے جاتے تھے۔ اس لیے ان کے سامنے آپ کے عقائد بیان فرماتے جا رہے ہیں تاکہ حضرت ابراہیم کو اپنا جدِ اعلیٰ کہنے والے اور اس نسبت پر فخر کرنے والے حضرت ابراہیم کے رب اکبر پر بھی ایمان لائیں۔ جس طرح آپ کا دامن کفر و شرک کی آلائشوں سے بالکل پاک تھا اسی طرح یہ بھی اپنے دماغوں کو دور کر کے توحید خالص اختیار کریں۔

۴۲ اس سے مراد آذر ہے جو آپ کا چچا تھا، کیونکہ اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اس لیے باپ کہا گیا۔ ای اذ سماہ اللہ اباً لکونہ عمّاً و مربیاً لہ (مظہری)

۴۳ یہاں اس کا معنی ہے ندوم اور عکوف کہتے ہیں الاقامۃ علی الشئ کسی چیز پر مستحکم رہنا گویا وہ آپ کو

كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَ

اپنے باپوں کو کہ وہ یونہی کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے دیکھ لیا ان (کی بے بسی) کو جن کی تم پرستش کیا کرتے ہو ۴۵ تم اور

اٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۷﴾

تمہارے گذشتہ آباؤ اجداد - پس وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العٰلمین کے ۴۶

چڑانے کے لیے کہہ رہے ہیں کہ ہم تو ہمیشہ ہمیشہ انہی کی بندگی کیا کریں گے۔ جوہری عکف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: عکف ای اقبل علیہ مواظبا (صحاح)

۴۴ کیا پیارا اسلوب ہے افہام و تفہیم کا۔ انہی سے ان کے معبودوں کی بے بسی کا اعتراف کرایا جا رہا ہے جب وہ ان باتوں کا انکار نہ کر سکے تو یہ کہہ کر اپنا دفاع کرنے لگے کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہم تو ان کی تقلید سے دست کش ہونے کے لیے کسی قیمت پر تیار نہیں۔

۴۵ آپ محبت بھرے اسلوب سے انھیں سمجھاتے ہیں کہ نادان نہ بنو بے جا ضد اچھی نہیں۔ اندھی تقلید کے نتائج بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ تم دنیاوی معاملات میں جب عقل و فہم کو استعمال کرتے رہتے ہو تو زندگی کے اس بنیادی مسئلہ پر سوچنے کا وقت آتے تو تم اپنی سوچ کا چراغ گل کر دو، یہ تو اچھی بات نہیں۔

۴۶ ان اندھے بہرے بتوں کے متعلق تم جو چاہو کہتے رہو میں تو انھیں اپنا دشمن اور بدخواہ سمجھ رہا ہوں۔ میری بندگی کا تعلق صرف اس معبودِ برحق کے ساتھ ہے جو کائنات کی ہر چیز کو پیدا بھی کرتا ہے، پھر عنایاتِ پیہم سے ہر چیز کو اس کے مرتبۂ کمال تک بھی پہنچاتا ہے۔ اس کی ساری ضروریات مہیا کرتا ہے۔ ان کی نشوونما کے لیے جو وسائل ضروری ہوتے ہیں ان کو بہم پہنچاتا ہے۔ ان اندھے بہرے معبودوں کے مقابلہ میں رب العٰلمین (ہر چیز کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا) کی صفت سے اللہ تعالیٰ کا تعارف کتنا معنی خیز ہے۔ آیت میں مکرر غور فرمائیے۔ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ بت تمہارے دشمن ہیں بلکہ فرمایا یہ میرے دشمن ہیں۔ ناصح کریم کا اندازِ نصیحت ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ براہِ راست دوسروں پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اپنی ذات سے آغاز کرتا ہے اور یہ تعریض تصریح سے بدرجہا زیادہ مؤثر ہوا کرتی ہے۔ فانھم کی خبر اعداء (جمع) ہونی چاہیے تھی عدو (واحد) کیوں لائی گئی۔ اس کا بہترین جواب یہ ہے کہ جو صفت فعول یا فعیل کے وزن پر ہو اس کا استعمال واحد جمع دونوں کے لیے ہوتا رہتا ہے کیونکہ عدوٌّ اصل میں عَدُوٌّ فَعُوْلٌ کے وزن پر ہے اس لیے یہاں اس کا استعمال درست ہے۔ اس لیے یہ انھم کی خبر واقع ہو سکتا ہے۔ یجوز اطلاق العدو والصدیق علی الواحد والجمع لان کل صفۃ علی وزن فعول وفعیل یستعمل کذالک یقال رجل عدو وقوم عدوٌّ۔ (مظہری)

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾

جس نے مجھے پیدا فرمایا پھر (ہر قدم پر) وہ میری رہنمائی کرتا ہے ۴۷ اور وہ جو مجھے کھلاتا بھی ہے اور مجھے پلاتا بھی ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾

اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے صحت بخشتا ہے ۴۸ اور وہ جو مجھے مارے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا۔

وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ

اور جس سے میں اُمید رکھتا ہوں ۴۹ کہ وہ بخش دیگا میرے لیے میری خطا کو روزِ جزا کو۔ اے میرے رب! عطا فرما

حُکْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی

مجھے علم و عمل ۵۰ (میں کمال) اور ملا دے مجھے نیک بندوں کے ساتھ ۵۱ اور بنا دے میرے لیے سچی ناموری ۵۲

الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ

آئندہ آنے والوں میں۔ اور بنا دے مجھے ان لوگوں سے جو نعمت والی جنت کے وارث ہیں۔ اور بخش دے میرے باپ کو

۴۷ رب العالمین کی شانِ ربوبیت کے مختلف مظاہر کی طرف جن میں سے کسی ایک پر بھی اُن کے بُت قادر نہیں ہیں حضرت ابراہیم ان کی توجہ مبذول کرا رہے ہیں جس کی وضاحت والذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی میں گزر چکی ہے (طٰہٰ)۔

۴۸ حضرت خلیل کا بارگاہِ الٰہی میں حُسنِ ادب ملاحظہ ہو، بیماری کی نسبت اپنی طرف کی اور شفا کی اللہ تعالیٰ کی طرف حالانکہ بیماری اور صحت دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں۔

۴۹ یہاں بھی حُسنِ ادب ہے۔ اللہ کا خلیل ہونے کے باوجود ساری عمر اس کی عبادت و اطاعت میں گزارنے کے باوجود اور ہر آزمائش میں کامیاب ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی بے نیازیوں سے دل سہما ہوا ہے، کہتے ہیں مجھے یہ اُمید ہے کہ وہ کریم مجھ پر کرم فرمائے گا اور میری خطاؤں کو بخش دیگا بندے کے لیے مناسب یہی ہے کہ اس کی نظر اپنی نیکیوں پر نہ ہو بلکہ اپنی لغزشوں پر ہو۔

۵۰ اپنے خالق کی حمد و ثنا کرنے کے بعد اب دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھتے ہیں اور طلب کا دامن پھیلتا ہے۔ حُکماً سے مُراد علم و عمل کا کمال ہے تاکہ خلافتِ الٰہیہ کا منصبِ جلیل سنبھالنے کی مکمل استعداد اور اس کی مخلوق کی سیاست کا صحیح ملکہ پیدا ہو جائے۔ ای کمالاً فی العلم والعمل بحیث یستعد لخلافۃ الحق وریاسۃ الخلق۔ (مظہری)

۵۱ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور صالح بندوں کی رفاقت وہ نعمتِ عظمیٰ ہے جس کی تمنا حضرت خلیل جیسی جلیل القدر

إِنَّهُ كَانَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿٨٦﴾ وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا

وہ گمراہ لوگوں میں سے ہے۔ اور نہ شرمسار کرنا مجھے جس روز لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے ۵۳ جس دن نہ

يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿٨٨﴾ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٩﴾ وَأُزْلِفَتِ

مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔ مگر وہ شخص جو لے آیا اللہ تعالیٰ کے حضور قلب سلیم ۵۴ اور قریب کر دی

ہستیاں بھی کیا کرتی ہیں۔

۵۲ لسان صدق سے مراد ہے الثناء الحسن، بہترین تعریف۔ یعنی تیرے نیک بندوں کی زبانیں میری ستائش کرتی رہیں۔ اظہار بندگی میں جن توفیقات مخصوصہ اور کمالات عظیمہ سے تو نے مجھے سرفراز فرمایا ہے رہتی دنیا تک ان کا ذکر ہوتا ہی رہے۔ قشیری نے لسان صدق کا معنی الدعا الحسن یعنی نیک دعا کیا ہے یعنی لوگ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے ہمیشہ یاد رکھیں۔ اگرچہ لسان کا معنی زبان ہے لیکن اس کا اطلاق اس بات پر بھی ہوتا ہے جو زبان سے نکلتی ہے جیسے سخاوت کو ید کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی۔ آپ کے بعد جتنے نبی آتے سب آپ کی عظمت و رفعت شان کا اعتراف کرتے رہے۔ آج بھی سلسلۂ نبوت و رسالت پر ایمان رکھنے والی قومیں بلا استثناء آپ کی تعریف اور توصیف میں رطب اللسان ہیں۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے آپ کی اس دعا کو چار چاند لگ گئے۔ آپ کے دین حنیف کا احیاء ہوا۔ آپ کے عقائد حقہ کی اشاعت ہوئی اور ہر مسلمان جب بھی نماز میں اپنے ہادی کامل پر درود عرض کرتا ہے تو وہ ابراہیم اور آل ابراہیم پر بھی درود بھیجتا ہے۔

۵۳ الٰہی اگر تیری یاد میں مجھ سے کوئی کوتاہی ہو گئی ہے تو اس کی وجہ سے مجھے روز محشر شرمندہ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے پر کمال عنایت ہوگی۔ اگر وہ اس روز اس کی آبرو رکھ لے اور اہل ایمان کے ساتھ مولائے کریم کا سلوک کچھ اسی طرح کا ہوگا۔ صحیحین میں ہے کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے کان میں چپکے سے کیا بات فرمائی تھی۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضور نے ارشاد فرمایا تھا یدنو احدکم من ربہ حتی یضع کنفہ علیہ فیقول عملت کذا وکذا فیقول نعم ثم یقول انی سترتہا علیک فی الدنیا وانا اغفرلک الیوم ثم یعطی کتاب حسناتہ بیمینہ یعنی تم میں سے کوئی آدمی اپنے رب کے بالکل نزدیک ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے فرمائیں گے تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ عرض کرے گا ہاں میں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ دنیا میں میں نے اس کو ظاہر نہ ہونے دیا اور آج میں ان خطاؤں کو تیرے لیے بخش رہا ہوں۔ پھر اس کی نیکیوں کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں پکڑا دی جائے گی۔ کفار اور منافقین کو بر سر عام رسوا کیا جائے گا۔ (مظہری)

۵۴ قلب سلیم سے مراد مومن کا دل ہے کیونکہ وہ کفر و نفاق کی بیماریوں سے محفوظ ہوتا ہے اور کافر کا دل مریض

الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ اَيْنَمَا

جائے گی جنت پرہیزگاروں کے لیے۔ اور ظاہر کر دی جائے گی دوزخ بہکنے والوں کے لیے ۵۵ اور کہا جائے گا انہیں کہ کہاں

كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ہیں وہ جن کی تم پوجا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر۔ کیا وہ تمہاری کچھ مدد کر سکتے ہیں یا انتقام لے سکتے ہیں۔

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿۹۴﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿۹۵﴾ قَالُوْا

پھر اوندھے پھینک دیئے جائیں گے اس میں وہ اور دوسرے گمراہ اور ابلیس کی ساری فوجیں ۵۶ وہ کہیں گے

ہوتا ہے جیسے ارشاد ہے " فی قلوبھم مرض " آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافر نے نیک کاموں میں جتنا روپیہ بھی خرچ کیا ہو اسے اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ اسی طرح اگر کسی کافر کی اولاد مومن اور صالح بھی ہو تو بھی اس کی شفاعت اس کافر کے حق میں مقبول نہیں ہوگی۔ لیکن جس شخص کا دل کفر و نفاق کی بیماری سے محفوظ ہے اس نے راہِ حق میں جو مال خرچ کیا ہوگا اس کا کئی گنا اجر روزِ قیامت اُسے دیا جائے گا۔ نیز اس کی نیک اور صالح اولاد کی دعائیں، اسکے گناہوں کی بخشش اور اس کے درجات کی بلندی کا باعث ہوں گی اور قیامت کے دن ان کی شفاعت اپنے والدین کے حق میں مقبول ہوگی اور انھیں نفع پہنچائے گی۔ واما المؤمن فینفعه ماله الذی انفقه فی الطاعة وولده بالشفاعة والاستغفار (مظہری)

علامہ ابو حیان زمخشری کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ولا ضرورة تدعو الی حذف لما ذکر اذ قد رناه لکن من اتی اللہ بقلب سلیم ینفعه ذالك۔

جسے سانپ نے ڈس لیا ہو اسے بھی سلیم کہتے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا یہاں سلیم لدیغ کے معنی میں مستعمل ہوا ہے یعنی وہ شخص جس کا دل سانپ کے ڈسے ہوئے کی طرح ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے خوف سے پھڑکتا اور تڑپتا رہتا ہو وہی روزِ حشر کامیاب ہوگا۔

وقال الجنید: السلیم فی اللغة اللدیغ فمعناه انه قلب کاللدیغ من خوف اللہ (قرطبی)

۵۵ متقی لوگوں اور سرکشوں کے ساتھ جو سلوک کیا جائے گا ان آیات میں اس کا ذکر ہے۔

۵۶ صاحبِ قاموس لکھتے ہیں: کب، اکب، وکبکب سب کا ایک معنی ہے یعنی سر کے بل اوندھا کر کے نیچے پھینک دینا۔ علامہ بیضاوی لکھتے ہیں کہ کب کو مکرر کر کے کبکب بنایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انھیں دوزخ میں پھینکا جائیگا تو لڑھکنیاں کھاتے ہوئے نیچے جا گریں گے۔ ھُمْ کی ضمیر کا مرجع جھوٹے معبود ہیں یعنی جھوٹے معبودان کے پرستار، ابلیس اور

وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿٩٦﴾ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٩٧﴾ إِذْ

اس حال میں کہ وہ دوزخ میں باہم جھگڑ رہے ہونگے ۵۷ ۔ خدا کی قسم! ہم کھلی گمراہی میں گرفتار تھے ۵۸ جب ہم

نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٩٨﴾ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا

تمہیں رب العٰلمین کے برابر بناتے ہوتے تھے ۔ اور نہیں گمراہ کیا ہمیں مگر ان نامی مجرموں نے ۔ تو (آج) نہیں ہے

مِن شَافِعِينَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿١٠١﴾ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ

ہمارا کوئی سفارشی ۵۹ اور نہ کوئی غم خوار دوست ۔ پس اگر ہمارے اختیار میں ہوتا (دنیا میں) واپس جانا تو

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٢﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم

ہم اہل ایمان سے ہوتے ۔ بیشک اس واقعہ میں (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان

مُّؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿١٠٤﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ ع ۵ ۹

لانے والے ۔ اور (اے حبیب!) بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے ۔ جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے)

اس کے معاون و مددگار سب کو دوزخ میں اُلٹا کر کے پھینک دیا جائے گا۔

۵۷ وہاں بتوں اور اُن کے پجاریوں، ابلیس اور اس کے پیروکاروں میں نوک جھونک شروع ہو جائے گی۔

۵۸ پجاری کہیں گے ہم نے تمہیں پروردگارِ عالم کا ہم پلہ اور برابر یقین کر کے اپنے اوپر ظلم عظیم کیا تھا۔ اذ نسویکم فی العبادۃ (قرطبی)، فی استحقاق العبادۃ (مظہری) یعنی ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرح عبادت کا مستحق سمجھتے تھے۔

۵۹ وہ بصد حسرت کہیں گے جس طرح اہل ایمان کی شفاعت ان کے نبی، فرشتے اور نیک مسلمان کر رہے ہیں۔ کاش ہمارا بھی کوئی ایسا شفیع ہوتا۔ کاش ہمارا بھی کوئی ایسا قریبی دوست ہوتا حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے استکثروا من الاصدقاء المؤمنین فان لھم شفاعۃ یوم القیامۃ (مظہری)

یعنی اہل ایمان کو کثرت سے دوست بنایا کرو کیونکہ قیامت کے دن انھیں شفاعت کرنے کا اذن دیا جائے گا۔

۶۰ اے محبوب آپ کا پروردگار عزیز ہے۔ وہ چاہے تو دم بھر میں ان کی ساری نخوتوں کو پامال کر کے رکھ دے۔ لیکن وہ عزیز ہونے کے ساتھ رحیم بھی ہے۔ اسی لیے انھیں مہلت پر مہلت دی جا رہی ہے، شاید ان میں سے کوئی کسی وقت دین حق کو قبول کرلے یا ان کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جائے۔ العزیز القادر علی الانتقام۔ الرحیم باھمال الکفار لکی یؤمنوا بہ

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

رسولوں کو ۶۱ جب کہا انھیں ان کے بھائی نوح نے کیا تم ڈرتے نہیں ہو ۶۲ بیشک میں تمھارے لیے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

رسول امین ہوں ۶۳ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری فرمانبرداری کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (تبلیغ)

اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾

پر کوئی اُجرت۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم ڈرو اللہ سے اور میری پیروی کرو۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾ قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا

انھوں نے کہا کیا ہم (قوم کے رئیس) ۶۴ ایمان لائیں تجھ پر حالانکہ تمھاری پیروی صرف گھٹیا لوگ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے کیا خبر کہ وہ کس

اولاد من ذریتھم (مظہری)۔

۶۱ اب نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے حالات پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔

۶۲ یہ اخوت اور بھائی چارہ نسبی ہے، دینی نہیں، نیز آپ کو ان کا بھائی کہہ کر اس جذبۂ اخلاص و خیر خواہی کی طرف بھی اشارہ کر دیا جو ایک بھائی کے دل میں اپنے بھائیوں کے متعلق فطری طور پر پایا جاتا ہے۔ بتا دیا کہ یہ کوئی اجنبی نہیں جسے تمھاری خوشی اور غم سے کوئی واسطہ نہ ہو بلکہ یہ تمھارا بھائی بند ہے۔ تمھاری فلاح اور کامیابی اس کے لیے فرحت و انبساط کا باعث ہے اور تمھاری گمراہی سے اس کے دل میں درد و غم کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔

۶۳ میری صداقت اور امانت کے تم خود گواہ ہو اب میری بات ماننے میں کیوں پس و پیش کر رہے ہو۔ میں تو تمھیں اپنے مالکِ حقیقی کی ناراضگی سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہوں۔ میرے پیشِ نظر کوئی ذاتی اور مادی منفعت نہیں۔ میں تم سے کسی اجر اور معاوضہ کا مطالبہ نہیں کروں گا۔ میری ان دلسوزیوں پر میرا خدا ہی مجھے اجر دیگا۔

۶۴ وہ کہنے لگے آپ پر ایمان لانے والے سب کے سب ایسے لوگ ہیں جو خاندانی لحاظ سے بڑے گھٹیا ہیں۔ مالی لحاظ سے بڑے مفلس اور کنگال ہیں۔ معاشرہ میں انھیں کوئی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ ایسے کمین اور پسماندہ لوگوں کے پیشوا پر ایمان لا کر ہم اپنی سبکی نہیں کر سکتے۔ ارذلون: ارذل کی جمع ہے۔ اس کی جمع تکسیر اراذل ہے۔ مونث رُذلیٰ اور جمع رُذلٰی (قرطبی)۔ اس کا معنی صاحبِ قاموس نے الدون الخسیس کیا ہے۔ قال البیضاوی الاقل جاھا و مالا۔ یعنی جاہ و مال میں سب سے کمتر کو ارذل کہتے ہیں۔

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَ

نیت سے ایمان لاتے ہیں ۶۵ ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے۔ اگر تمہیں (حقیقت کا) شعور ہے۔ اور

مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۵﴾ قَالُوْا لَئِنْ

نہیں ہوں میں دور بھگانے والا (غریب و مسکین) مومنوں کو ۶۶ نہیں ہوں میں مگر (عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا ۶۷ ان (مغروروں)

لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ

نے کہا اے نوح! اگر تم باز نہ آئے (تو یاد رکھو) تمہیں ضرور سنگسار کر دیا جائے گا ۶۸ آپ نے عرض کی میرے مالک!

كَذَّبُوْنِ ﴿۱۱۷﴾ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ

میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا ہے۔ بس تو فیصلہ فرما دے میرے اور انکے درمیان جو قطعی ہو ۶۹ اور (اپنے عذاب سے) نجات دے مجھے

۶۵ اس جملہ کی متعدد تشریحیں کی گئی ہیں (۱) ان کے پیشے اور حرفت گھٹیا سہی لیکن مجھے ان سے کیا سروکار۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ انہوں نے میری دعوت قبول کر لی ہے اور دین اسلام میں داخل ہو گئے ہیں (۲) کفار ان ایمان لانے والوں پر یہ اعتراض بھی کیا کرتے کہ ان لوگوں نے اس دین کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ یہ دین حق ہے بلکہ وہ اس طرح اپنی تشہیر اور چرچا چاہتے ہیں، تاکہ جس محفل میں یہ دین موضوع بحث بنے ان کا ذکر بھی کیا جائے، ان کا نام بھی لیا جائے کہ فلاں فلاں شخص نے یہ دین قبول کر لیا ہے۔ اس جملہ سے ان کے اس اعتراض کا رد ہے کہ تم ان کی نیت پر شبہ کرتے ہو تو کرو مجھے تو اس سے بحث نہیں۔ دلوں اور نیتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانا، اس کے دین کو قبول کیا۔

۶۶ انہوں نے مطالبہ کیا ہوگا کہ ان ناداروں کو اپنے پاس سے اٹھاؤ تب ہم آپ کے پاس آسکتے ہیں۔ ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھنا ہمارے لیے ننگ و عار کا موجب ہے۔ آپ نے انہیں جواب دیا کہ میں ان لوگوں کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہیں، اپنی محفل سے نہیں نکال سکتا۔ تمہارے نزدیک عزت و شرف کا معیار دولت کی کثرت ہے تو ہوا کرے، میرے نزدیک ایمان سے گراں بہا اور عزیز تر متاع کوئی نہیں۔ کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی قسم کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔

۶۷ میرا کام ہر ایک کو خدا کی نافرمانی کے انجام سے ڈرانا ہے۔ کوئی امیر ہو یا غریب، معزز و محترم ہو یا حقیر و بے نوا، میری دعوت سب کے لیے عام ہے۔ جس کا جی چاہے قبول کرے اور جس کا جی چاہے رد کر دے۔ لیکن میں کوئی نامعقول شرط قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔

۶۸ کفر اور باطل کی یہی دیرینہ عادت ہے۔ جب وہ دلائل کے میدان میں حق کو نیچا نہیں دکھا سکتا تو وہ طاقت کے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۱۹﴾ ثُمَّ

اور جو میرے ساتھ ہیں اہل ایمان سے پس ہم نے نجات دی انھیں اور جو آپ کے ہمراہ اس کشتی میں تھے جو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی

اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر ہم نے غرق کر دیا اسکے بعد پیچھے رہ جانے والوں کو۔ یقیناً اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ عَادُ ۶ ع ۱۸ ۱۰

لوگ ایمان لانے والے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ جھٹلایا عاد نے (اپنے)

الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اِنِّيْ لَكُمْ

رسولوں کو ۶۹ جب فرمایا انھیں ان کے بھائی ہود نے کیا تم (خدا سے) نہیں ڈرتے ۷۰ بیشک میں تمہارے لیے

رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۲۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۲۶﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ

رسول امین ہوں ۷۱ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس (خدمت)

بل بوتے پر اسے دبانا چاہتا ہے چنانچہ اب وہ آپ کو دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں۔

۶۹ جب آپ ان کے ایمان لانے سے بالکل مایوس ہو گئے تو آپ نے یہ دعا کی یہاں فتح کا معنی قطعی فیصلہ ہے۔ مشحون: مملو۔ بھری ہوئی۔ کشتی میں جو چیز لادی جائے۔ انسان، حیوان یا دیگر سامان اسے شحنۃ الفلک کہتے ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد دوم، سورہ الاعراف، آیات ۵۹ تا ۶۴۔

۷۰ قوم عاد کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آیا ہے جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم کی غرقابی کے بعد انھیں عروج حاصل ہوا جسمانی ڈیل ڈول اور قوت و صحت میں یہ بے نظیر تھے۔ فن تعمیر میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ مزید تفصیل کے لیے ضیاء القرآن، جلد دوم، الاعراف کی آیات ۶۵ تا ۷۲ ملاحظہ ہوں۔

۷۱ آپ کی اخوت کا ذکر اس لیے کیا گیا تاکہ ان پر آپ کا اخلاص اور خیر اندیشی واضح ہو جائے۔

۷۲ آپ نے بھی اپنی صداقت کے لیے اپنی گذشتہ زندگی کو بطور گواہ پیش کیا۔ جب کل تک میرا دامن ہر قسم کی آلائشوں سے پاک رہا۔ تم خود میری اخلاقی برتری اور دیانت کو تسلیم کرتے رہے ہو۔ میں ایک رات میں بدل تو نہیں گیا حسب سابق آج بھی تم سے سچی بات کہہ رہا ہوں اور تمہاری بھلائی ہی میرے پیش نظر ہے۔ یہ وعظ و نصیحت میں نے

اَجْرِۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۷﴾ اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِیْعٍ

کا کوئی صلہ۔ میرا اجر تو اس پر ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔ کیا تم تعمیر کرتے ہو ہر اونچے مقام پر ایک

اٰیَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَ اِذَا

یادگار بے فائدہ ۷۳ اور اپنی رہائش کے لیے بناتے ہو مضبوط محلات اس امید پر کہ تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب تم کسی

بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِیْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوْنِ ﴿۱۳۱﴾ وَ اتَّقُوا

پر گرفت کرتے ہو تو بڑے ظالم و بیدرد بن کر ۷۴ گرفت کرتے ہو پس (اب تو) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو ۷۵ اور

پیشے کے طور پر اختیار نہیں کیا کہ تم سے اجرت اور فیس لیا کروں میری اس محنت اور اخلاص کی قدر فرمانے والا رب العٰلمین ہے۔

۷۳ رِیع اونچی جگہ کو بھی کہتے ہیں اور وہ راستہ جو دو پہاڑیوں کے درمیان سے گزر رہا ہو اس کو بھی ریع کہا جاتا ہے۔

الریع ما ارتفع من الارض وقال مجاهد هو الفج بین الجبلین (قرطبی)

ان کا یہ دستور تھا جہاں کہیں اونچا ٹیلہ نظر آیا وہاں بطور یادگار کوئی عمارت تعمیر کر دی تاکہ ان کا نام زندہ رہے نیز وہ اپنی رہائش کے لیے بڑی بڑی کشادہ حویلیاں اور شاندار محلات تعمیر کرتے اور ان کی مضبوطی اور زیب و زینت پر پانی کی طرح روپیہ بہاتے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان دونوں باتوں پر انھیں سرزنش کر رہے ہیں یعنی ایسی یادگاریں بنانا اور ان پر زر کثیر صرف کرنا جن کا کوئی فائدہ نہ ہو قطعاً قرین دانشمندی نہیں۔ اور اسی طرح ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے شوق میں اونچے اونچے محل تعمیر کرنا اور اپنی امارت کی نمائش کے لیے ان پر دولت صرف کرنا بڑی نامعقول حرکت ہے۔ اگر تمہارے پاس دولت کی فراوانی ہے تو اس سے اپنے نادار اور غریب پڑوسیوں اور ہم وطنوں کی خدمت کرو۔ ان کے لیے آسائش کے سامان فراہم کرو۔ اسی میں تمہاری فلاح دارین ہے۔ تم ان مکانوں میں ہمیشہ نہیں رہو گے بلکہ تمہیں ایک نہ ایک دن یقیناً یہاں سے کوچ کرنا ہے۔ جب موت کی اٹل گھڑی آپہنچے گی تو ان مکانوں کو چھوڑتے ہوئے تمہیں بڑا دکھ ہوگا۔ ان شاندار اور فلک بوس محلات کو دیکھ کر تمہارا دل ٹکڑے ٹکڑے ہونے لگے گا۔ مصانع ای منازل، رہائش کے مکانات وقیل حصونا مشیدة یعنی مضبوط قلعے۔ وقیل قصورا مشیدة پختہ محلات۔ حضور نبی کریم نے رہائشی مکانات پر تکلف بنانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببعض جسدی فقال کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل وعد نفسك من اصحاب القبور۔ (رواہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا میں اس طرح زندگی بسر کر گویا تو غریب الوطن ہے یا راہ رو مسافر، اور اپنے آپ کو اصحاب قبور سے شمار کر۔

الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَجَنّٰتٍ

ڈرو اس ذات سے جس نے مدد کی ہے تمہاری ان چیزوں سے جن کو تم جانتے ہو ۷۶ (یعنی) اس نے مدد فرمائی ہے تمہاری مویشیوں اور فرزندوں سے

وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۳۴﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳۵﴾ قَالُوْا سَوَآءٌ

اور باغات اور چشموں سے ۷۷ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے۔ انہوں نے کہا یکساں ہے ہمارے

عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ

لیے خواہ آپ نصیحت کریں یا نہ ہو آپ نصیحت کرنے والوں سے ۷۸ نہیں ہے یہ (محلات کا شوق)

۷۴ ایک طرف تو ان کی دریا دلی کا یہ حال کہ بے مصرف یادگاریں، وسیع حویلیاں اور شاندار مکانات تعمیر کرنے میں بے دریغ روپیہ صرف کرتے اور دوسری طرف ان کی سنگدلی کا یہ عالم کہ اُن کی زد سے نہ اپنے محفوظ تھے نہ بیگانے۔ جو قابو میں آگیا تیغ جفا سے اس کا کام تمام کر دیا۔ کسی سے کوئی ناپسندیدہ حرکت سرزد ہو گئی تو وہ خونخوار بھیڑیے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑے۔ اتنے آتشیں مزاج تھے اور طبیعتوں میں انتقام کا جذبہ اتنا شدید تھا کہ گویا رحم و کرم، عفو و درگزر کا انھوں نے کبھی نام بھی نہیں سنا۔ البطش: الاخذ بالعنف بڑی بے رحمی سے گرفت کرنا۔ جبار اس متکبر کو کہتے ہیں جس کے دل میں کسی کے لیے رحم کا جذبہ نہ پایا جائے۔ الجبار المتکبر و قلب لا یدخلہ رحمۃ۔ قرآن کریم نے انکے جو اطوار بیان کیے ہیں ان کے آئینے میں آپ ان کے کردار اور معاشرہ کے خدوخال کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ اپنی نمود و نمائش پر جب خرچ کرنے کا موقع آتا ہے تو خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں لیکن کسی دردمند کو دیکھ کر کسی آشفتہ حال کو دیکھ کر ان کے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو یہ ناممکن ہے۔ جاہ پسند دنیا پرست قوموں میں یہی قدر مشترک ہے۔

۷۵ ان کی خرابیوں کا ذکر فرمانے کے بعد حضرت ہود انھیں خدا کا خوف دلاتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا غضب جوش میں آئے اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا دے۔ اور اپنی اطاعت و پیروی کا حکم دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کی نجات کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ اپنے نبی کا دامن پکڑیں اور اس کے نقش قدم کو اپنا خضر راہ بنائیں۔

۷۶ دوبارہ تاکید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آؤ جس نے تمھیں طرح طرح کی عنایات اور احسانات سے سرفراز فرمایا ہے جنھیں تم خوب جانتے ہو۔ ایسے مُنعم اور محسن کی حکم عدولی تمھیں زیب نہیں دیتی۔

۷۷ ان انعامات کا اب تفصیلی ذکر فرما دیا۔ سورۃ الاعراف کے حواشی میں بتایا گیا ہے کہ یہ قوم احقاف کے علاقہ میں آباد تھی۔ ان کا پایۂ تخت حضرموت تھا۔ یہ علاقہ اس وقت بڑا زرخیز اور شاداب تھا اور بعد میں جب ان کی پیہم سرکشیوں کے باعث ان پر عذاب الٰہی آیا تو یہ علاقہ بنجر بن کے رہ گیا۔ جہاں کبھی آباد شہر بارونق بستیاں اور پھلدار درختوں کے باغات تھے

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۱۳۸﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ

مگر ہمارے اسلاف کا دستور ہے ۷۹ (آپ فکر نہ کریں) ہمیں عذاب نہیں دیا جائیگا پس انھوں نے آپ کو جھٹلایا اس لیے ہم نے انھیں ہلاک کر

ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ

دیا ۸۰ بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانیوالے۔ اور بیشک آپ کا رب ہی سب پر غالب

اب وہاں خاک اُڑ رہی ہے۔ ہر طرف ریگستان ہی ریگستان نظر آتے ہیں۔ وکانت منازل عاد بین عمان الی حضرموت امرع البلاد فجعلها الله مفاوز رمالا (بحر) قوم عاد عمان اور حضرموت کے درمیانی علاقہ میں آباد تھی جو بڑا سرسبز و شاداب تھا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے جنگل اور صحرا بنا دیا۔

۷۸ انھوں نے حضرت ہودؑ کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور صاف صاف کہہ دیا کہ آپ خواہ مخواہ سر کھپا رہے ہیں ہم آپ کی کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔

۷۹ یہاں خلق میں دو قراءتیں ہیں خَلْقٌ اور خُلُقٌ۔ پہلی صورت میں اس کا معنیٰ اختلاق یعنی جھوٹی گھڑی ہوئی بات اور دوسری صورت میں اطوار و عادات۔ آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تم جو دھمکیاں ہمیں دے رہے ہو کہ اگر ہم نے تمھاری دعوت قبول نہ کی تو ہم پر آسمان ٹوٹ پڑے گا اور ہم تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ یہ محض کذب و افترا اور من گھڑت افسانے ہیں تمھاری قماش کے لوگ پہلے بھی ہمارے آباؤ اجداد کو ایسے جھوٹ گھڑ گھڑ کر ڈرایا کرتے تھے۔ تم نے بھی وہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ خود تو اپنی خشک مزاجی کے باعث زندگی کی ان لذتوں سے محروم ہو۔ اب یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی تمھاری طرح سوکھے ٹکڑے کھائیں اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنیں اور دنیا کی ان نعمتوں سے لطف اندوز نہ ہوں۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس طرح یادگاریں بنانا اور شاندار مکانات تعمیر کرنا اور عیش و نشاط کی محفلوں میں دادِ عیش دینا ہمارے اسلاف کا وطیرہ رہا ہے۔ ہم تو انھی کی پیروی کر رہے ہیں۔ اگر یہ کام اتنے ہی قابلِ گرفت اور بُرے ہیں تو ان پر عذاب آیا ہوتا۔ آج تک تو وہ عذاب آیا نہیں، تم یقین رکھو کہ ہم پر بھی نہیں آئے گا۔ خلق الاولین ای اختلاقهم وکذبهم والعرب تقول حدثنا فلان باحادیث الخلق ای بالخرافات وخلق الاولین معناه عادتهم۔

۸۰ آخر ان کی تباہی کا وقت آگیا۔ اُفق پر ایک کالی گھٹا نمودار ہوئی۔ اسے دیکھ کر ان کے دل باغ باغ ہو گئے۔ سمجھے کہ موسلا دھار مینہ برسے گا۔ اور خوشحالی کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن وہ گھٹا تو قہرِ الٰہی بن کر آئی تھی۔ آٹھ دن اور سات راتیں گرم لُو کا جھکڑ چلتا رہا۔ وہ اتنا تند و تیز تھا کہ ان کی مضبوط عمارتیں بنیادوں سے اکھڑ گئیں اور اس میں اتنی بلا کی تپش تھی کہ سرسبز کھیت ناکتر بن گئے۔ باغات اور تناور درخت یوں بوسیدہ ہو گئے، معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں پرانے ہیں۔ قرآن کریم میں سورۃ الحاقہ میں اس عذاب کا ذکر اس طرح فرمایا "واما عاد فاهلكوا بريح صرصر عاتية سخرها عليهم سبع ليال وثمانية ايام حسوما فترى القوم فيها صرعى كانهم اعجاز نخل خاوية (ملاحظہ ہو ضیاء القرآن، جلد پنجم، الحاقہ، آیت ۶ تا ۸)۔

الرَّحِيْمُ ﴿۱۷۵﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۶﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ

ہمیشہ رحم فرمانیوالا ہے۔ جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو ۸۱ جب کہا انھیں ان کے بھائی صالح نے

اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۷۹﴾ وَ

کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے۔ میں تمھارے لیے رسول امین ہوں۔ سو ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری پیروی کرو۔ اور

مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی معاوضہ۔ میرا معاوضہ تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۱۸۲﴾ وَّزُرُوْعٍ

کیا تمھیں رہنے دیا جائیگا اس (عیش و طرب) میں جس میں تم یہاں ہو امن سے، ان باغات میں اور چشموں میں اور (شاداب)

وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ﴿۱۸۳﴾ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴿۱۸۴﴾

کھیتوں میں اور کھجور کے درختوں میں جنکے شگوفے بڑے نرم و نازک ہیں ۸۲ اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر سنگتراش بنتے ہوئے ۸۳

۸۱ اب قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے جس نے اپنے مخلص نبی کی مخلصانہ دعوت کو اسی رعونت سے ٹھکرا دیا جس طرح پہلی قوموں نے اپنے انبیاء کی دعوتوں کو ٹھکرایا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام بھی پہلے اپنی قوم کو اپنی دیانت، پاکبازی اور خیر اندیشی کا یقین دلاتے ہیں اور انھیں بتاتے ہیں کہ میں تم سے کسی مادی منفعت کا خواستگار نہیں۔ میرے پیش نظر محض تمھاری خیر خواہی ہے۔ میری یہ دلی آرزو ہے کہ تم رشد و ہدایت کی راہ پر چلو۔ تمھارا دل نور ایمان سے منور ہو۔ تمھارا تمدن فسق و فجور، ظلم و طغیان اور بے جا نمود کے امراض سے پاک ہو۔ تم نیکی اور تقویٰ کی زندگی بسر کرو۔ تمھاری قوتیں تمھارے مادی وسائل اور فنی مہارت اس طرح استعمال ہو جس سے خستہ حالوں اور آشفتہ دلوں کو سکون نصیب ہو۔ قوم کے کمزور افراد کو سہارا ملے۔ لیکن جو قوم عرصہ دراز سے بے راہ روی کی خوگر ہو چکی تھی اسے ایسے مواعظ سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ انھوں نے آپ پر طرح طرح کے الزامات لگائے، تکلیفیں پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا مذاق اڑایا اور ان کی تحقیر کی۔ آخر کار ان سرکشیوں کا وہی نتیجہ نکلا جو ایسے افعال کا نکلا کرتا ہے۔

۸۲ ان باغات، بہتے ہوئے چشموں، کھیتوں اور پھل سے لدے ہوئے نخلستانوں کو دیکھ کر تم پھولے نہیں سماتے۔ کیا تم یہ سمجھ بیٹھے ہو کہ تم ہمیشہ اسی طرح ان سے لطف اندوز ہوتے رہو گے اور تمھیں موت کا ذائقہ نہیں چکھنا پڑے گا۔ یہ سراسر تمھاری نادانی ہے۔ ھضیم۔ یتحشم فی الفم۔ جو مٹھاس سے اتنی نرم اور گداز ہو کہ منہ میں ڈالتے ہی گھل جائے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿۱۵۰﴾ وَ لَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ الَّذِيْنَ

پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میرا اتباع کرو۔ اور نہ پیروی کرو حد سے بڑھنے والوں کے حکم کی ۸۴ جو فساد

يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَ لَا يُصْلِحُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ

برپا کرتے رہتے ہیں زمین میں اور اصلاح (کی کوشش) نہیں کرتے۔ جواب ملا اے صالح! تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن

الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ

پر جادو کر دیا گیا ہے ۸۵ نہیں ہو تم مگر ایک انسان ہماری مانند ۸۶ ورنہ لاؤ کوئی معجزہ اگر تم راست بازوں میں سے

الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۴﴾ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۱۵۵﴾

ہو۔ فرمایا یہ ایک اونٹنی ہے۔ ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمہاری باری ہے ۸۷

۸۳ سنگ تراشی کے فن میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی اس پر انہیں بڑا ناز بھی تھا اور اسی وجہ سے گرد و نواح میں دور دور تک ان کی شہرت تھی۔ فارھین: حاذقین بنحتہا یعنی چٹانیں تراش کر مکان بنانے میں تم بڑے ماہر اور حاذق ہو اس میں دوسری قرأت فرھین بھی آئی ہے۔ اس کا معنی ہے اشرین بطرین: مغرور اور سرکش۔

۸۴ آپ نے ان کے سیاسی لیڈروں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا یہ تو مفسد لوگ ہیں، ان سے بھلائی کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے لڑا کر تماشا دیکھتے ہیں۔ غریبوں اور کمزوروں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔ ایسے بگڑے ہوئے لوگ اس قابل نہیں کہ قوم کی قیادت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں رہنے دی جائے ورنہ وہ تمہارا بیڑہ غرق کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری پیروی کرو میں تمہیں ہدایت اور راستی کی راہ پر چلاؤں گا۔

۸۵ وہ کہنے لگے صالح تم عجیب آدمی ہو۔ ہماری ہر بات میں تمہیں کیڑے نظر آنے لگے ہیں۔ ہمیں اپنے بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہو۔ ہمیں اپنے لیڈروں سے برگشتہ کرتے ہو۔ ہمارے آداب معاشرت تمہیں پسند نہیں اور ہمارے فن سنگ تراشی پر بھی تمہیں اعتراض ہے جس کی وجہ سے ہماری شہرت دور دور تک پھیل چکی ہے یقیناً تمہیں کسی نے کچھ کر دیا ہے ورنہ تمہارے جیسا زیرک اور دانشمند آدمی جس سے ہم نے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں اس سے ایسے خیالات کا اظہار ممکن نہیں۔

۸۶ آپ ہماری طرح بشر ہی تو ہیں۔ ہم آپ کو رسول کیسے مان لیں۔ کوئی معجزہ دکھاؤ جس سے تمہاری صداقت کا ہمیں یقین آ جائے۔

۸۷ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ثمودیوں نے آپ سے یہ مطالبہ کیا کہ اس چٹان سے سرخ رنگ کی اونٹنی نکلے

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵۶﴾ فَعَقَرُوْهَا

اور نہ پہنچانا اُسے کوئی اذیت ورنہ آلے گا تمہیں بڑے دن کا عذاب ۔ ان (بدبختوں) نے اس کی کونچیں کاٹ

فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ

ڈالیں پھر ہو گئے ندامت (و افسوس) کرنے والے پس آلیا انہیں عذاب ۸۸ بے شک اس واقعہ میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور

مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۵۹﴾ كَذَّبَتْ

نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے ۔ اور بے شک آپ کا رب ہی عزیز رحیم ہے ۔ جھٹلایا

قَوْمُ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

قوم لوط نے اپنے رسولوں کو ۸۹ جب کہا ان سے ان کے بھائی لوط نے ، کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے ؟

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ

بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں ۔ پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور میری اطاعت کرو ۔ اور میں نہیں مانگتا تم سے

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ

اس (تبلیغ) پر کوئی معاوضہ ۔ میرا معاوضہ تو اس کے ذمہ ہے جو رب العٰلمین ہے ۔ کیا تم بدفعلی کے لیے جاتے ہو مردوں کے پاس

جو دس ماہ کی حاملہ ہو اور ہماری آنکھوں کے سامنے بچہ جنے تو ہم تمہیں رسول مان لیں گے ۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ۔ وہاں کیا مشکل تھا اور ان کا مطالبہ پورا کر دیا گیا ۔ اور اس چٹان سے ان کی مطلوبہ اونٹنی نکل آئی ۔ آپ نے فرمایا یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے ۔ اب یوں ہوگا کہ ایک دن تنہا یہ پانی پیے گی اور دوسرے دن تمام انسان اور تمہارے مویشی پانی پئیں گے ۔ یاد رکھنا اس اونٹنی کو کوئی اذیت نہ پہنچانا ورنہ تمہاری خیر نہیں ۔

۸۸ لیکن وہ باز آنے والے کب تھے ۔ انھوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر بھونچال آیا جس نے ان کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا ۔ فاخذتہم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جٰثمین (الاعراف) ۔ ملاحظہ ہو ضیاء القرآن ، جلد دوم ، آیات ۷۳ تا ۷۹ ۔

۸۹ سورۃ الاعراف اور سورۃ ہود میں ان کا مفصل تذکرہ گزر چکا ہے ۔ ضیاء القرآن ، جلد دوم متعلقہ آیات

آپ کا انداز تبلیغ بعینہٖ وہی ہے جو پہلے انبیاء کا تھا ۔ من القالین ای المبغضین والقلا البغض ۔

مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

ساری مخلوق سے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جو پیدا کی ہیں تمہارے لیے تمہارے رب نے تمہاری بیویاں۔ بلکہ تم حد سے

قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾

بڑھنے والے لوگ ہو۔ وہ (غصہ سے) کہنے لگے (خاموش!) اے لوط! اگر تم اس سے باز نہ آئے تو تمہیں ضرور ملک بدر کر دیا جائے گا۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾

آپ نے فرمایا (سن لو!) میں تمہارے اس (گندے) فعل سے بیزار ہوں۔ میرے مالک! نجات دے مجھے اور میرے اہل و عیال کو اس کی شامت

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا

سے جو وہ کرتے ہیں۔ سو ہم نے نجات دے دی اسے اور اس کے سب اہل کو۔ سوائے ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے نام و نشان مٹا

الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾

دیا دوسروں کا۔ اور ہم نے برسائی ان پر (پتھروں کی) بارش ۹۰ پس بڑی تباہ کن تھی وہ بارش جو برسی ان پر جنہیں ڈرایا گیا (اور وہ باز

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

نہ آئے) بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے۔ اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور بلاشبہ (اے محبوب!) آپ کا

۹۰ پتھر برسا کر ان کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ بائیبل میں اس عذاب کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا: "تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورا پر گندھک اور آگ برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اُگا تھا غارت کیا۔"

"مگر اس کی بیوی نے اس کے پیچھے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی۔"

"اور ابراہیم صبح سویرے اُٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا۔

اور اس نے سدوم اور عمورا اور ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں ایسا اُٹھ رہا ہے جیسے بھٹی کا دھواں۔"

(پیدائش، باب ۱۹۔ آیت ۲۴ تا ۲۸)

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ اِذْ قَالَ

پروردگار ہی عزیز رحیم ہے ۔ جھٹلایا اہل ایکہ نے بھی (اپنے) رسولوں کو ۹۱ جب فرمایا

لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۹۴﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

انھیں شعیب (علیہ السلام) نے کیا تم (قہر الٰہی سے) نہیں ڈرتے بیشک میں تمہارے لیے رسول امین ہوں پس ڈرو اللہ تعالیٰ

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى

سے اور میری پیروی کرو ۔ اور میں نہیں طلب کرتا تم سے اس پر کوئی اجر ۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جو سارے

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَزِنُوْا

جہانوں کو پالنے والا ہے ۔ پورا کیا کرو ناپ اور نہ ہو جاؤ کم ناپنے والوں سے ۔ اور وزن کیا کرو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ﴿۱۹۸﴾ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا

صحیح ترازو سے ۔ اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں ، اور نہ پھرا کرو

۹۱ سورۂ اعراف اور سورۂ ہود میں حضرت شعیبؑ آپ کے مواعظ، آپ کی قوم میں جڑ پکڑنے والے باطل عقائد اور اخلاقی خرابیوں کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ یہاں بھی آپ کے مواعظ کا وہی انداز ہے اور اپنے مخاطبین کو انہی خرابیوں سے باز آنے کی پُرزور اور مخلصانہ تلقین فرما رہے ہیں جن کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔ اس لیے بعض حضرات نے یہ خیال فرمایا کہ اہل مدین اور اصحاب الایکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ قومیں تھیں جو الگ الگ علاقوں میں آباد تھیں لیکن چونکہ ان کے علاقے بالکل نزدیک نزدیک تھے اور دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھیں اس لیے دونوں کی ہدایت کے لیے ایک نبی حضرت شعیبؑ کو مقرر فرمایا گیا۔ نیز یہ دونوں قومیں دو بین الاقوامی تجارتی شاہراہوں کے قرب و جوار میں آباد تھیں اور تجارت پیشہ تھیں۔ تاجروں میں جو اخلاقی خرابیاں عام طور پر پائی جاتی ہیں وہ ان میں بطور قدر مشترک موجود تھیں۔ توحید کے عقیدہ سے دونوں برگشتہ ہو چکی تھیں اور شرک کی لعنت میں گرفتار تھیں۔ اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظ ایک ہی طرح کے تھے۔ الایکۃ الشجر الکثیر الملتف الواحدۃ ایکۃ فہی الغیضۃ۔ وہ جگہ جہاں گھنے اور گنجان درختوں کا ذخیرہ ہو اسے عربی میں ایکہ کہتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جس علاقہ میں آباد تھی وہاں درختوں کے گھنے اور گنجان جھنڈ پائے جاتے تھے اس لیے انھیں اصحاب الایکہ کہا گیا اور یہ کسی خاص بستی

فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأَوَّلِينَ ﴿١٨٤﴾

زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے۔ اور ڈرو اس سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور تم سے پہلی مخلوق کو۔ انھوں

قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مِنَ الْمُسَحَّرِينَ ﴿١٨٥﴾ وَمَا أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَإِن

نے (جھلا کر) کہا تم تو ان لوگوں میں سے ہو جن پر جادو کر دیا گیا ہے ۹۲ اور نہیں ہو تم مگر ایک بشر ہماری مانند ۹۳ اور ہم تو تمہارے

نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿١٨٦﴾ فَأَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِن

متعلق یہ خیال کر رہے ہیں کہ تم جھوٹوں میں سے ہو۔ (ہم تمہاری بات نہیں مانتے) تو اب گرا دو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا ۹۴ اگر

كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٨٧﴾ قَالَ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٨٨﴾ فَكَذَّبُوهُ

تم راست بازوں میں سے ہو۔ آپ نے فرمایا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کر رہے ہو۔ سو انھوں نے جھٹلایا

کا نام نہ تھا لیکن جنھوں نے لیکہ پڑھا ہے ان کا خیال ہے کہ لیکہ ایک بستی کا نام تھا۔ جوہری کی یہ رائے ہے کہ ایکہ اور لیکہ دونوں ایک ہی بستی کے نام تھے جس طرح مکہ اور بکہ (قرطبی)

جبلۃ قال مجاھد ھی الخلیقۃ یعنی اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں بھی پیدا کیا اور تم سے پہلے جو مخلوق گزر چکی ہے اس کا بھی وہی خالق ہے۔

۹۲ ان کی ساری معاشی خوشحالی کا انحصار ان بے ایمانیوں اور دھوکہ بازیوں پر تھا۔ وہ اتنے بھلے مانس کب تھے کہ حضرت شعیبؑ کی نصیحت سن کر ان سے باز آجاتے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو غلطی ماننے سے ہی انکار کر دیا اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ کرنا ہی مناسب نہ سمجھا۔ اُلٹا حضرت شعیبؑ پر الزام لگا دیا کہ تم پر کسی نے جادو کر دیا ہے جبھی تو تم ہمیں ایسے مشورے دے رہے ہو جن پر ہم اگر عمل کریں تو یہ تجارت کی گہما گہمی یا دولت و ثروت کی فراوانی سب کی سب یکدم ختم ہو جائے۔ کوئی ذی شعور آدمی اپنی قوم کو ایسا مشورہ نہیں دے سکتا۔ جو اس کی اقتصادی تباہی کا سبب بنے۔ اے شعیبؑ یقیناً تمہارا دماغ کام نہیں کر رہا پہلے اپنا علاج کراؤ پھر آکر ہمیں نصیحت کرنا۔

۹۳ وہی پرانا اعتراض۔

۹۴ جب آپ نے زیادہ اصرار کیا ہوگا کہ ان دھوکا بازیوں سے باز آجاؤ تو انھوں نے سیخ پا ہو کر اور شرم و حیا کی چادر اُتار کر کہہ دیا کہ تو ہم تمہاری بات نہیں مانتے۔ اب جو آسمان تم ہم پر گرانا چاہتے ہو گرا دو۔

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۸۹﴾

شعیب کو تو پکڑ لیا انھیں چھتری والے دن کے عذاب نے ۹۵ بے شک یہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ

بیشک اس میں بھی (عبرت کی) نشانی ہے اور نہیں تھے ان میں سے اکثر لوگ ایمان لانے والے۔ اور یقیناً آپ کا رب

لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۹۱﴾ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ ع ۱۰ ۶ ۱۴

ہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور بلاشبہ یہ کتاب رب العلمین کی اتاری ہوئی ہے ۹۶ اترا ہے اسے

الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ

لے کر روح الامین (یعنی جبرئیل) ۹۷ آپ کے قلب (منیر) پر ۹۸ تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے یہ ایسی عربی

۹۵ ان پر جو عذاب اترا اس کی صحیح کیفیت کیا تھی اس کا ذکر نہیں فرمایا گیا اس لیے اس کے بارے میں یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ ظلہ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ان پر کوئی ایسا عذاب نازل کیا گیا جس نے چھتری یا سائبان کی طرح ان پر سایہ کر لیا اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیے گئے۔

۹۶ سورۃ کا آغاز اس بات سے ہوا تھا کہ کفار قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ماننے کے لیے تیار نہیں تھے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت دکھ پہنچتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مطمئن فرمانے کے لیے متعدد انبیاء اور ان کی قوموں کے حالات بیان فرمائے۔ اب پھر سلسلۂ کلام کفار کے انہی اعتراضات کی طرف لوٹتا ہے کہ یہ کلام کسی انسان کا وضع کردہ نہیں بلکہ اسے اس خدا نے اتارا ہے جو رب العالمین ہے اور اس کی ربوبیت جس نے انسان کی جسمانی ضروریات کو بہم پہنچایا، اس کی شان سے یہ بعید تھا کہ وہ اس کی روحانی ترقی کے لیے کوئی انتظام نہ فرماتا چنانچہ انسان کے اسی روحانی پہلو کو معراج کمال تک پہنچانے کے لیے یہ کتاب مقدس نازل فرمائی۔

۹۷ اور جس فرشتہ کے ذریعے یہ کتاب نازل ہوئی وہ روح الامین ہے یعنی وہ سراپا روحانیت بھی ہے اور امین بھی ہے نہ اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اس نے اپنی طرف سے کوئی ملاوٹ کر دی ہو اور نہ کسی کے لیے یہ ممکن ہے کہ جو چیز اس کی امانت و حفاظت میں دی گئی ہے کوئی اس میں ادنیٰ سا رد و بدل بھی کر سکے۔ مقام کی نزاکت کے پیش نظر یہاں جبرئیل یعنی علم کی جگہ اس کی دو عظیم صفتیں بیان کی گئیں۔

۹۸ یعنی اس کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب منور پر ہوا اور جو چیز دل میں اترتی ہے اس میں نہ کسی کمی بیشی کا

عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۹۶﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً

زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے۔ اور اس کا ذکر خیر پہلے لوگوں کی کتابوں میں بھی ہے ۹۹ کیا نہیں تھی ان مشرکین مکہ کے لیے

احتمال ہوتا ہے اور نہ یہ امکان ہوتا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھا نہ گیا ہو۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہوا کہ اس کتاب کو انسان کی جسمانی اور ظاہری ضروریات کو بہم پہنچانے والے پروردگار نے اس کی روحانی اور باطنی قوتوں کو مرتبۂ کمال تک پہنچانے کے لیے اتارا اور اسے لانے والا وہ فرشتہ ہے جو روح الامین کی صفت سے موصوف ہے اور اس کے نزول کی جگہ اللہ تعالیٰ کے محبوب کا قلب مبارک ہے۔ اے کفار! جب حقیقت یہ ہے تو تمہارا اس کتاب مقدس کے متعلق بے تکی باتیں کرنا معقولیت کے سراسر خلاف ہے۔

یہاں یہ بتانا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ قلب اقدس پر نزول قرآن کی کیا کیفیت ہوا کرتی تھی۔ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ جس طرح معانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتے تھے اسی طرح الفاظ بھی اسی کی طرف سے ہوا کرتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ صرف معانی کا القا کر دیا گیا ہو۔ اور جبرئیل نے اپنے الفاظ میں انھیں آکر پیش کیا ہو جب جبرئیل ان الفاظ و معانی کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے تو حضور قرائت الٰہیہ قدسیہ کے ساتھ انہیں سنتے اور محفوظ رکھتے۔ اس کا سماع بشری حواس سے نہیں ہوا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے نزول وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر اغماء کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی والقول الراجح ان الالفاظ منه عز وجل کالمعانی لا مدخل لجبریل علیه السلام فیها اصلا وکان النبی یسمعها ویعیها بقوی الهیة قدسیه لاسماع البشر ایاها منه علیه الصلوة والسلام وتنفعل عند ذالك قواه البشریة ولهذا یظهر علی جسده الشریف صلی الله علیه وسلم ما یظهر (روح المعانی)۔ اس کی وضاحت کر کے علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ حضور کی دو جہتیں تھیں۔ ایک جہت ملکی جس سے حضور فیضان حاصل کرتے اور ایک جہت بشری جس سے حضور لوگوں کو فیض پہنچایا کرتے۔ اسی لیے یہاں نزول کو قلب منور یعنی روح سرور عالم سے متعلق کیا ہے کیونکہ وہی صفات ملکی سے متصف ہے۔ لما کان له صلی الله علیه وسلم جهتان جهة ملکیة یستفیض بها من الروح الامین۔ آگے چل کر علامہ موصوف امام اصفہانی کی تفسیر کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین سے وحی قبول کرنے کے دو طریقے تھے۔ ایک یہ کہ حضور جامہ بشری کو اتار کر صورت ملکی کی طرف عروج فرماتے اور جبرئیل سے وحی سنتے۔ دوسرا یہ کہ فرشتہ مقام ملکی سے مقام بشریت کی طرف نزول کرتا اور حضور کو وہ وحی پہنچاتا۔ وفی ذالك طریقتان احدهما ان النبی انخلع من الصورة البشریة الی الصورة الملکیة واخذه من جبرئیل علیه السلام وثانیتهما ان الملك انخلع الی البشریة حتی یاخذ النبی منه والاولی اصعب الحالین عندها (روح المعانی)۔ علمائے کرام نے تصریح کی ہے کہ بیشتر قرآن کریم کا نزول پہلے طریقے کے مطابق ہوا کرتا تھا۔

۹۹ زُبُر: زبور کی جمع ہے جس کا معنی کتاب ہے۔ اولین سے مراد سابقہ انبیاء و رسل ہیں یعنی اس کتاب مقدس کا تذکرہ پہلی کتابوں میں مذکور ہے۔ انه کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک بھی ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں آیت کا

أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمٰٓؤُا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۹۷﴾ وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ

آپ کی سچائی کی یہ دلیل کہ جانتے ہیں آپ کو بنی اسرائیل کے علماء ۱۰۱ اور اگر ہم اتارتے قرآن کو کسی غیر عربی

الْأَعْجَمِينَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۹۹﴾ كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ

پر ۱۰۲ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں تھے ۔ یونہی ہم نے داخل کر دی

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۰۰﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۲۰۱﴾

ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں ۱۰۳ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر جب تک دیکھ نہ لیں دردناک عذاب کو۔

معنی ہوگا کہ جس رسول کے قلب منور پر یہ کتاب نازل کی گئی اس کے محامد و اوصاف سے سابقہ آسمانی کتابیں بھری ہوئی ہیں سب انبیاء نے اپنی امتوں کو حضورؐ کی آمد کی اطلاع دی اور حضورؐ پر ایمان لانے کی تاکید فرمائی۔

۱۰۱ اہل مکہ یہود کو صاحب کتاب اور اہل علم خیال کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ایک وفد یثرب کے علماء یہود کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ نبی کریمؐ کے متعلق ان سے کچھ دریافت کریں۔ علماء یہود نے بتایا ان هذا الزمانه و انا لنجد فی التوراة نعته وصفته: کہ ان کے ظہور کا وقت آگیا ہے اور ان کی نعت اور صفات تورات میں موجود ہیں لیکن اہل مکہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔ آیت میں اسی طرف اشارہ ہے۔

۱۰۲ کفار کا انکار کسی معقول دلیل پر مبنی نہیں تھا۔ ایک ضد تھی جسے وہ نباہ رہے تھے اور اپنے سراسر غلط موقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی اعتراض جڑ دیا کرتے تھے۔ جن میں سے بیشتر کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان کا ایک یہ بھی اعتراض تھا کہ حضورؐ خود عربی ہیں اور فصیح و بلیغ بھی ہیں۔ ان کے لیے ایسا کلام بنانا کیا مشکل ہے۔ ان کے رد کے لیے فرمایا جا رہا ہے اگر ہم کسی عربی کے بجائے کسی عجمی پر بھی یہ کتاب نازل کر دیتے تب بھی تم اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ ہوتے۔ یہ محض تمہارے بہانے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تم دل سے اس کلام کی عظمت کو تسلیم کرتے ہو لیکن زبان سے اقرار کرنے میں اپنی توہین محسوس کر رہے ہو۔

۱۰۳ یعنی اس کلام پاک کی صداقت تمہارے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ تمہارے دل مان چکے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے لیکن کفر اور گمراہی میں تم یہاں تک دور نکل گئے ہو کہ سورج نصف النہار پر چمک رہا ہے اور تمہیں یہ کہتے ہوئے ذرا شرم محسوس نہیں ہوتی کہ ابھی کالی رات ہے۔ وہ دیکھو ستارے ٹمٹما رہے ہیں۔ سلک کہتے ہیں داخل کرنے کو، اور مجرمین کا لفظ فرما کر قرآن کی دل میں گھر کرنے والی تاثیر کی طرف اشارہ کر دیا۔ بعض علماء نے اس آیت کا معنی یہ کیا ہے کہ سلکنا التکذیب فی قلوبهم کہ قرآن کریم کے جھٹلانے کو ہم نے ان کے دلوں میں داخل کر دیا ہے۔

فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٠٢﴾ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿٢٠٣﴾

سو وہ آئے گا ان پر اچانک اور انہیں اس (کی آمد) کا احساس ہی نہ ہوگا تب (بصد حسرت) کہیں گے کیا ہمیں مزید مہلت ملے گی؟ ۱۰۲

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٢٠٤﴾ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَآءَهُمْ

کیا وہ اب ہمارے عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔ کیا تم نے کچھ غور کیا اگر ہم لطف اندوز ہونے دیں انہیں چند سال ۱۰۳ پھر (یہ عرصہ گزرنے

مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ﴿٢٠٧﴾ وَمَآ اَهْلَكْنَا

کے بعد) آئے ان پر وہ عذاب جس سے انہیں ڈرایا جاتا تھا۔ تو کیا نفع دے گا انہیں (اس وقت) وہ (ساز و سامان) جن سے وہ لطف اندوز ہوتے

مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرٰى وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿٢٠٩﴾ وَمَا

رہتے تھے۔ اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر اس کے لیے ڈرانے والے بھیجے گئے تھے یاد دہانی کے لیے۔ اور ہم ظالم نہیں تھے۔ اور نہیں اترے

تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿٢١١﴾ اِنَّهُمْ

اس قرآن کو لے کر شیاطین ۱۰۵ اور نہ یہ ان کے لیے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں ۱۰۶ انہیں

۱۰۲ اب تو شور مچاتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب کیوں نہیں اترتا لیکن جب عذاب انہیں آ کر گھیرے گا اس وقت وہ ندامت و حسرت سے گڑگڑائیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت اور دے دو ہم اپنی تمام سابقہ غلطیوں کی تلافی کر دیں گے لیکن اس وقت کوئی بات نہ سنی جائے گی۔

۱۰۳ یعنی عرصہ دراز تک اگر وہ ہر طرح کے آرام و آسائش اور ناز و نعم سے زندگی بسر کرتے رہیں۔ پھر جب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوگا تو پہلی ساری عیش و عشرت فراموش ہو جائے گی۔ وہ دولت و ثروت، وہ ساز و سامان، وہ جاہ و حشمت ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی۔ مایغنی عنك لھذا ماینفعك (الصحاح)

۱۰۵ کفار یہ بھی کہا کرتے کہ یہ کلام ان پر جن و شیاطین کی طرف سے القا کیا جاتا ہے اس کا پُرزور رد فرما دیا۔

۱۰۶ شیطان کا کام گمراہ کرنا اور کفر و شرک کی ترغیب دینا ہے اور قرآن کریم صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیتا ہے۔ اخلاق فاضلہ کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کی ہر آیت کفر و شرک کے عقیدہ کو جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک رہی ہے۔ اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ نور توحید سے سارا عالم جگمگا اٹھے۔ خود فیصلہ کرو کیا شیطان توحید قبول کرنے اور کفر و شرک سے تائب ہونے اور خصال حمیدہ کو اپنانے کی ترغیب دے سکتا ہے۔ کوئی بات تو سوچ کر بھی کیا کرو۔ نیز اس میں غیب کی خبریں ہیں اور بیچارے شیطان کی کیا مجال کہ پردہ غیب

عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴿۲۱۲﴾ فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ

(شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے ۱۰۷ پس نہ پکار اکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو ۱۰۸ ورنہ تو ہو جائیگا

مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ﴿۲۱۳﴾ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ

اُن لوگوں میں سے جنہیں عذاب دیا گیا ہے۔ اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو ۱۰۹ اور آپ نیچے کیا کیجیے اپنے پروں کو

جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۱۵﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ

اُن لوگوں کے لیے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے ۱۱۰ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو آپ فرمائیں

میں جھانک کر بھی دیکھ سکے۔

۱۰۷ نیز انہیں فرشتوں کا کلام اور ان کی گفتگو سننے سے بھی روک دیا گیا ہے۔ اگر وہ اس قسم کی جرأت کرتے ہیں تو شہاب ثاقب سے ان کی تواضع کی جاتی ہے اور انہیں بھگا دیا جاتا ہے۔

۱۰۸ اللہ تعالیٰ جو وحدہٗ لاشریک ہے اس کے ساتھ کسی غیر کو خدا سمجھ کر مت پکارو۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم عذاب میں مبتلا کر دیئے جاؤ گے۔ علامہ عثمانی لکھتے ہیں "یہ فرمایا رسول کو اور سنایا اوروں کو"

۱۰۹ صحیحین میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صفا کی پہاڑی پر کھڑے ہو گئے اور بلند آواز سے پکارا یا بنی فہر، یا بنی عدی (جتنے قریش کے قبائل تھے ان کا نام لے لے کر بلایا) یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے۔ اور جو خود نہ آسکا اس نے کوئی آدمی بھیج دیا جو بات سن کر اسے بتائے۔ جب سب اکٹھے ہو گئے تو حضور نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ اس وادی میں سواروں کا دستہ ہے جو تم پر شبخون مارنا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات مانو گے۔ سب نے جواب دیا ضرور مانیں گے کیونکہ آج تک ہم نے آپ کو غلط بیانی کرتے ہوئے نہیں سنا۔ حضور نے فرمایا فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (کہ میں تمہیں عذاب شدید کے آنے سے پہلے متنبہ کر رہا ہوں کہ کفر و شرک سے باز آجاؤ، اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مان لو ورنہ تمہیں برباد کر دیا جائے گا) گستاخ ابولہب انگلی سے اشارہ کر کے کہنے لگا۔ تبا لک سائر الیوم الھذا جمعتنا؟ تمہیں سارا دن خرابی ہو کیا تو نے اس لیے ہمیں جمع کیا۔ حضور خاموش رہے لیکن اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے دیتے ہوئے پوری سورت نازل فرمائی جس کی پہلی آیت ہے تبت یدا ابی لھب وتب یعنی ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ جن کی ایک انگلی سے اس نے میرے محبوب کی طرف گستاخانہ اشارہ کیا ہے اور وہ خود بھی تباہ و برباد ہو جائے۔

۱۱۰ اہل ایمان کے ساتھ کریمانہ اور مشفقانہ سلوک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیے اور نرمی کا برتاؤ کیجیے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر حضور مقام محبوبیت کی رفعتوں میں ہی محو پرواز رہتے تو خاک نشین اس دامن رحمت کا سہارا کیسے

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۲۱۷﴾ الَّذِیْ

میں بری الذمہ ہوں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے ہو ۱۱۱ اور بھروسہ کیجیے سب سے غالب ہمیشہ رحم کرنے والے پر ۱۱۲ جو آپ کو

یَرٰىكَ حِیْنَ تَقُوْمُ ﴿۲۱۸﴾ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ ﴿۲۱۹﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۲۲۰﴾

دیکھتا رہتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں ۱۱۳ اور (دیکھتا رہتا ہے جب) آپ چکر لگاتے ہیں سجدہ کرنے والوں (کے گھروں) کا بیشک وہی سب کچھ سنتے

رہ سکتے وہ اس چشمۂ فیض سے اپنی تشنہ لبی کا درماں کیونکر کر سکتے۔ فرمایا اپنے پروں کو نیچے کرو تاکہ تیری ردائے رحمۃ للعالمینی کا سایہ ان کے سروں پر بھی پڑے۔ راعی اپنے ریوڑ کی کمزور اور لاغر بکریوں کو پیچھے چھوڑ کر چلا نہیں جاتا تیز رفتار قائد کو اپنے ضعیف اور سست رو ساتھیوں کا لحاظ رکھنا ہی پڑتا ہے۔

۱۱۱ اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے کہ میں تمہارے ان اعمال سے بیزار ہوں اور انھیں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ علامہ آلوسی نے یہاں خوب لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کہنے کا حکم دیا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ کہ میں تمہارے اعمال سے بری الذمہ ہوں۔ یہ حکم نہیں دیا فَقُلْ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ کہ میں تم سے بری الذمہ ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو روز محشر گناہ گاروں کی شفاعت کون کرتا۔ انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لو امر بالبراءۃ منہم ما بقی شفیعا للعصاۃ یوم القیامۃ۔ (روح المعانی)

۱۱۲ فرمایا اپنے اس رب پر توکل اور کامل بھروسہ کرو جو عزیز ہے یعنی ہر طاقتور پر غالب ہے اور جو رحیم ہے جس کا در رحمت ہر ایک کے لیے کشادہ ہے۔ اس سے حضور کو مزید تسلی دی جا رہی ہے لان العزۃ کالعلۃ المصححۃ للتوکل والرحمۃ کالعلۃ الداعیۃ الیہ۔ (روح المعانی)

۱۱۳ اے محبوب تو اپنے اس مولیٰ کریم پر توکل کر جو عزیز بھی ہے اور رحیم بھی۔ اور اس کے علاوہ اس کی چشم عنایت و رحمت ہر وقت تجھے دیکھ رہی ہے۔ تیری زندگی کا کوئی لمحہ بھی ایسا نہیں جو اس خصوصی توجہ سے سرفراز نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب تو اٹھتا ہے تو اس وقت بھی وہ تجھے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

۱۱۴ اس آیت کے متعدد مفہوم بیان کیے گئے ہیں (۱) یعنی جب آپ نماز ادا کرتے ہیں اور اس میں قیام سے رکوع کی طرف رکوع سے سجدہ کی طرف پھر سجدہ سے قیام کی طرف جو تقلبات آپ سے سامنے ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام کو دیکھ رہا ہوتا ہے (۲) حضور نے جماعت کرائی بعض صحابہ رکوع و سجود میں حضور سے پہلے چلے گئے نماز سے فراغت کے بعد حضور نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور نہیں بتایا کہ تم یہ نہ سمجھو جب میں قبلہ رو کھڑا ہوں تو میں تمہاری حرکات و سکنات سے بے خبر ہوتا ہوں فواللہ ما یخفی علی خشوعکم ولا رکوعکم انی لاراکم من وراء ظہری (بخاری شریف) یعنی مجھ پر تمہارا قلبی خضوع و خشوع مخفی ہوتا ہے اور تمہارا رکوع میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہوتا ہوں۔ اس آیت میں اسی امر کی طرف اشارہ فرمایا کہ جب آپ اپنے صحابہ کی ظاہری و باطنی کیفیات ملاحظہ کر رہے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اس فعل کو بھی دیکھ رہا ہوتا ہے (۳) بعض مفسرین نے اس آیت کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ جب نماز تہجد کی فرضیت ختم ہو گئی تو حضور سحری کے وقت اٹھے

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ

والا جاننے والا ہے۔ کیا میں بتاؤں تمہیں کہ شیاطین کس پر اترتے ہیں ۱۱۵ وہ اترتے ہیں ہر جھوٹ گھڑنے والے

أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾

بدکار پر۔ یہ اپنے کان (شیطانوں کی طرف) لگائے رکھتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ۱۱۶ اور جو شعراء ہیں تو انکی پیروی حق سے بہکے

اور صحابہ کرام کے گھروں کا چکر لگایا یہ دیکھنے کے لیے کہ فرضیت کے ختم ہونے کے بعد کیا وہ آج آرام سے سو رہے ہیں یا اپنے معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف ہیں حضور جس صحابی کے گھر کے پاس سے گزرے تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی کی آوازیں اس طرح آرہی تھیں جیسے شہد کے چھتے میں شہد کی مکھیاں گنگنا رہی ہوں فوجدھا کبیوت النحل لما سمع لھا من دندنتھم بذکر اللہ تعالیٰ والتلاوۃ۔

(۴) ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ سے اس کا یہ مفہوم بھی نقل کیا ہے کہ تقلب سے مراد تنقل فی الاصلاب ہے یعنی جب آپ کا نور یکے بعد دیگرے آپ کے اجداد کی پشتوں سے منتقل ہوتے چلا آرہا تھا تو اس وقت بھی آپ کو آپکا رب دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ آپ کے آباؤ اجداد کو قرآن کریم نے الساجدین (سجدہ کرنے والے) کہا ہے۔ اس لیے اکثر علماء نے اس آیت سے حضور کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے مومن ہونے پر استدلال کیا ہے اور اہل السنت والجماعت کے کثیر التعداد جلیل القدر علماء کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں وجوز حمل التقلب علی التنقل فی الاصلاب ان یراد بالساجدین المؤمنون واستدل بالآیۃ علی ایمان ابویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کما ذھب الیہ کثیر من اجلۃ اھل السنۃ۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ جو شخص حضور کے والدین کریمین کے حق میں بے ادبی کے کلمات کہتا ہے تو مجھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے وانا اخشی الکفر علی من یقول فیھما رضی اللہ عنھما علی رغم انف علی القاری واضرابہ (روح المعانی)۔

اس قول کی تائید میں علامہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد احادیث صحیحہ نقل کی ہیں جن میں سے ایک حدیث ملاحظہ فرمائیے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما افترق الناس فرقتین الا جعلنی اللہ من خیرھما فاخرجت من بین ابوی ولم یصبنی شیء من عھد الجاھلیۃ خرجت من نکاح لم اخرج من سفاح من لدن آدم حتی انتھیت الی ابی وامی فانا خیرکم نفسا وخیرکم ابا (مظہری)

یعنی حضور نے فرمایا کہ جب بھی نسل انسانی دو حصوں میں بٹی تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس میں کیا جو ان دونوں سے بہتر تھا۔ اپنے والدین کے ہاں میری ولادت ہوئی اس حال میں کہ مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی چیز نے ملوث نہیں کیا۔ آدم سے لے کر اپنے والدین تک میرے اجداد و امجدات میں کوئی بھی بدکاری سے پیدا نہیں ہوا۔ میں تم سب سے نفس کے لحاظ سے بھی بہتر ہوں اور باپ کے لحاظ سے بھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور کے آباؤ امہات سے کوئی مشرک یا فاسق نہیں ہوا کیونکہ مشرکین کے بارے میں صراحۃً کہہ دیا گیا المشرکون نجس اور حضور کے آباؤ نجس نہیں ہو سکتے

۱۱۵ پہلے بتایا کہ شیطان کی مجال نہیں کہ وہ میرے محبوب کے قریب بھی آسکے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ شیطان کا آنا جانا

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۲۶﴾

ہوتے لوگ ہی کرتے ہیں؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شعراء ہر وادی میں سرگرداں پھرتے رہتے ہیں۔ اور وہ کیا کرتے ہیں ایسی باتیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔

کس کے پاس ہوتا ہے، فرمایا ہر جھوٹے اور بدکار کے پاس شیطانوں کی آمد و رفت ہوتی ہے۔ افاک کثیر الافک بہت جھوٹ بولنے والا۔ اثیم کثیر الاثم۔ بڑا بدکار ناہنجار۔

۱۱۶ یہ کذاب اور ناہنجار لوگ بڑے غور سے شیطان کی بات کی طرف کان لگاتے ہیں پھر اس میں سو گنا اپنی طرف سے اضافہ کر کے بات کا بتنگڑ بناتے ہیں اور لوگوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈالتے ہیں۔

۱۱۷ کفار کا ایک الزام یہ بھی تھا کہ آپ شاعر ہیں اس لیے ان کو نبی ماننا کسی طرح روا نہیں۔ ان آیات میں اس الزام کا ابطال کیا جا رہا ہے فرمایا کہ شاعروں کے پیروکار تو گمراہ اور عیاش قسم کے لوگ ہوتے ہیں نیز شاعر اپنی فصاحت و بلاغت کو کسی ایک مقصد کے حصول کے لیے وقف نہیں کیا کرتے بلکہ ہر گلی کوچہ میں جوتیاں چٹخاتے پھرتے ہیں جہاں سے انعام کی توقع ہوتی اس کی مدح میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے جس سے برہم ہوئے اس کی مذمت کر ڈالی کبھی شراب کے گن گا رہے ہوتے ہیں اور کبھی قمار بازی کی ستائش ہو رہی ہوتی ہے کبھی حسن کی عریانیوں اور عشق کی بدمستیوں کی منظر کشی کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر ان شعراء کی ایک اور خصوصیت بھی ہے کہ ان کے قول و فعل میں کھلا تضاد پایا جاتا ہے۔ کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں۔ اے میرے محبوب پر شاعر ہونے کا بہتان لگانے والو! ذرا آنکھیں کھول کر دیکھو کہ اس کے دامن کرم کو تھامنے والے کس قماش کے لوگ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے ان کی کیا حالت تھی اور اب ان کا کیا حال ہے۔ کیا اس قسم کے فرشتہ سیرت اور سراپا خیر و تقویٰ لوگ کسی شاعر کے پیروکار ہو سکتے ہیں؟ پھر اس کلام پاک کی یک رنگی اور مقصدیت پر نظر ڈالو۔ اللہ کی توحید، اخلاق حسنہ کی ترغیب اور اعمال قبیحہ سے دور رہنے کی تلقین کے بغیر اس میں کسی اور چیز کی تم نشان دہی کر سکتے ہو؟ پھر یہ بتاؤ کہ کیا اس رسول مکرم کے قول و فعل میں تمہیں کوئی تفاوت نظر آتا ہے؟ بلکہ یہ جو فرماتا ہے پہلے خود کر کے دکھاتا ہے پھر دوسروں کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ کیا یہ صفات کسی شاعر میں پائی جاتی ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تم انصاف سے کہو کہ تمہارا یہ الزام کیا سراسر لغو اور بیہودہ نہیں۔

یہاں ایک چیز غور طلب ہے کہ شعر کی تعریف تو یہ کی جاتی ہے الکلام المنظوم المقفیٰ یعنی منظوم اور مقفیٰ کلام کو شعر کہا جاتا ہے۔ ایک بے علم بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن پر یہ تعریف صادق نہیں آتی تو اہل عرب کے متعلق ہم یہ کیسے باور کر سکتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کو اس وجہ سے شعر اور حضور کو شاعر کہا کرتے تھے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں والظاھر انھم انما قصدوا رمیہ صلی اللہ علیہ وسلم بانہ وحاشا ثم حاشا یاتی بکلام مخیل لاحقیقۃ لہ یعنی حضور پر یہ الزام لگانے میں ان کا مقصد یہ ہوا کرتا تھا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کہ آپ ایسا کلام سناتے ہیں جس میں محض خیال آرائی ہوا کرتی ہے اور جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ علامہ راغب اصفہانی اس اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ شعر کو وہ جھوٹ کے معنی میں استعمال کرتے تھے

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن

بجز اُن شعراء کے جو ایمان لے آئے اور انھوں نے نیک عمل کیے ۱۱۸ اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور انتقام لیتے ہیں

بَعْدِ مَا ظُلِمُوا ۗ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴿٢٢٧﴾ ع ۱۱ ۲۰ ۱۵

اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور عنقریب جان لیں گے جنھوں نے ظلم و ستم کیے کہ وہ کس (بھیانک) جگہ لوٹ کر آ رہے ہیں ۱۱۹

اور شاعر سے مراد اُن کے نزدیک کاذب تھا۔ اسی لیے اہل عرب جھوٹی دلیلوں کو اَدِلّۂ شعریہ کہتے ہیں۔ اشعار ھو بالکذب فان الشعر یعبر بہ عن الکذب والشاعر الکاذب حتی سمی قوم الادلۃ الکاذبۃ الشعریۃ ولکون الشعر ھو الکذب قیل احسن الشعر اکذبہ (مفردات) یعنی جھوٹ کو شعر اور جھوٹے کو شاعر بھی کہا جاتا ہے اسی لیے جھوٹی دلیلوں کو اَدِلّۂ شعریہ کہتے ہیں نیز وہ شعر جس میں جھوٹ کی حد تک مبالغہ ہو بہترین شعر شمار ہوتا ہے۔

۱۱۸ جب پہلی آیتیں نازل ہوئیں تو حضرات حسان، عبداللہ بن رواحہ، کعب بن مالک اور کعب بن زہیر رضی اللہ عنہم روتے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ شاعروں کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل کی ہیں ہم تو شاعر ہیں ہم ہلاک ہو گئے ہماری نجات کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اس سے واضح ہو گیا کہ جن شعراء کی مذمت کی گئی ہے وہ وہ شاعر ہیں جو کفر و شرک کی ترویج کے لیے اور فسق و فجور کی اشاعت کے لیے اپنے حکمۂ شعر گوئی کو استعمال کرتے ہیں اور اپنی شعلہ نوائی سے کام لیتے ہوئے لوگوں کے جذبات کو اسلام کے خلاف بھڑکاتے ہیں اور بارگاہ رسالت میں ہجو کر کے اہل ایمان کی دل آزاری کرتے ہیں۔ لیکن وہ شعراء جن کی ساری قوتیں اسلام کی خدمت میں، عقائد حقہ کی تبلیغ میں صرف ہو رہی ہیں وہ اس زمرہ میں داخل نہیں۔ چنانچہ صحابہ کرام میں بڑے بڑے جلیل المرتبت شعراء موجود تھے۔ حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھا جاتا اور وہ کافر شعراء کا جواب دیتے۔ چنانچہ ایک دن ابوسفیان کی ہرزہ سرائی کے جواب میں حضرت حسان نے فرمایا ؎

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا فَأَجَبْتُ عَنْهُ ۔۔۔ وَعِندَ اللَّهِ فِي ذَاكَ الْجَزَاءُ

فَإِنَّ أَبِي وَوَالِدَتِي وَعِرْضِي ۔۔۔ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنكُمْ وِقَاءُ

أَتَشْتِمُهُ وَلَسْتَ لَهُ بِكُفْءٍ ۔۔۔ فَشَرُّكُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ

لِسَانِي صَارِمٌ لَا عَيْبَ فِيهِ ۔۔۔ وَبَحْرِي لَا تُكَدِّرُهُ الدِّلَاءُ

"اے ابوسفیان تو نے میرے محبوبؐ کی جناب میں نازیبا باتیں کیں اور میں اس ہجو کا تمھیں جواب دے رہا ہوں مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں مجھے اس کی جزاء خیر ملے گی۔

سنو! تمھاری بدزبانی سے حضورؐ کی عزت کو بچانے کے لیے میرا باپ، میری ماں اور میری بیوی بطور سپر کام دیں گے یعنی میں اپنے باپ، اپنی ماں اور اپنی بیوی تک کو حضورؐ کی عزت پر قربان کر دوں گا۔

تو اُس کی جناب میں نازیبا بات کہتا ہے جس کا تو ہم پایہ نہیں ہے۔ تم دونوں میں سے جو بُرا ہے وہ اس پر فدا ہو جو تم میں سے اچھا ہے۔

میری زبان تیز تلوار ہے اس میں کوئی نقص نہیں ہے اور میرا بحرِ فصاحت اتنا گہرا ہے کہ ڈول نکالنے سے وہ مکدر نہیں ہوتا۔

——— حدیث پاک میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا حسن الشعر کحسن الکلام قبیحہ کقبیح الکلام کہ اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے اور بُرا شعر بُرے کلام کی طرح ہے دوسری حدیث میں ہے ان من الشعر لحکمۃ بعض شعروں میں بڑی دانائی کی باتیں ہوتی ہیں۔

فائدہ آخر میں کفار کو تہدید فرمادی کہ آج تم طرح طرح کی بدزبانیاں کرتے ہو عنقریب تمہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور تمہیں پتہ چل جائے گا کہ تم کتنے غلط کار تھے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تکذیب کر کے اور اس کے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹے الزامات لگا کر تم نے اپنے اوپر کتنا ظلم عظیم کیا تھا۔ منقلب : مرجع ومصیر۔ لوٹ کر آنے کی جگہ۔

اللہ تعالیٰ دعوتِ حق کو قبول کرنے، نورِ حق کو دیکھنے اور پہچاننے کی بروقت توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔